الغزالی فورم کا ترجمان

افکارِ قاسمی

شمارہ اپریل تا جون 2025





algazali.org

qasmimag@gmail.com

شائع کردہ

الغزالی فورم







افکار قاسمی اراکین





فہرست مضامین



اداریہ

مدیر کے قلم سے

اللہ رب العزت کا احسان عظیم ہے کہ رب کائینات نے ہمیں رحمتوں، برکتوں، کرم نوازیوں والا مہینہ یعنی رمضان المبارک کا مبارک مہینہ نصیب فرمایا۔ ہم نہایت ہی خوش نصیب ہیں کہ ہمیں یہ مہینہ عطا ہوا۔ یہ اللہ کی توفیق رہی کہ ہم جیسے گناہ گاروں، سیاہ کاروں، خطاکاروں کو یہ عظیم مہینہ ملا۔

جتنا اہم، جتنی فضیلت والا، جتنا کمال رحمت کا یہ مہینہ تھا، جس طرح ہمیں قدر کرنی چاہئیے تھی، حقیقت میں ہم لوگ اس طرح قدر نہ کر سکے۔ جس قدر ہم نے اس ماہ مبارک سے استفادہ حاصل کر سکتے تھے افسو! اس طرح فوائد حاصل نہ کر سکے۔ اس ماہ مبارک میں رب لم یزل کی رحمتیں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح ہم پر برس رہی تھیں، جس طرح ان رحمت کی لہروں کو سمیٹا جا سکتا تھا ہم نہ سمیٹ سکے۔

اللہ کے اس مہمان کی ہم اس طرح قدر نہ کر سکے، جس طرح ہمیں قدر کرنی چاہئیے تھی۔ یہ مہمان جا کر رب کے حضور بتلائے گا کہ کس نے میری قدر کی اور کس نے میری ناقدری کی۔ یہ ماہ مبارک رب کے حضور ساری بات بتلائے گا کہ یارب! آپ کے حکم سے اس کے گھر کا مہمان ہوا تھا، اس نے ایسا سلوک کیا۔

ہمارے اس مقدس اور پاک مہینہ میں ہمارے القدس کو لہو لہان کیا جاتا رہا، القدس پر پابندیاں عائد کی جاتی رہیں، مقدس مہینہ میں مقدس جگہ کی حرمت کی پامالی کی جاتی رہی، القدس کے بچوں کے جنازے اٹھتے رہے، القدس کی پکار ہمارے کانوں میں گونجتی رہی، ہم خواب غفلت میں سوتے رہے، ہمارے حکمران اپنے محلات میں محو استراحت رہے، اپنی مستیوں میں مست رہے۔

ہمارا المیہ رہا کہ اس رمضان بجائے مستند علماء کے ہمارے سال بھر کے اداکار ہمیں اسلام سکھاتے رہے، اسلام کے نام پر ہماری تفریق کی جاتی رہی، شیطان کے جانشین بن کر ہمیں اسلام سے دور کیا جاتا رہا، انٹرٹینمنٹ کے نام پر ہمارے روزوں کی ڈھال کو سبوتاژ کیا جاتا رہا، صدقہ خیرات کے نام پر سفید پوشوں کی سلفیاں لی جاتی رہیں، نیکیاں صرف سوشل میڈیا کے لیے مختص کر دی گئیں، پے در پے اس ماہ مقدس میں علماء کے خون کو پانی کی طرح بہایا گیا، مسجد کے تقدس تک کا خیال نہ رکھا گیا، رب کے احکامات کی حکم عدولی کی پھر بھی اسی کا کرم، فضل، شکر، احسان رہا کہ وہ ہمیں ڈھیل پر ڈھیل دیتا رہا، ہمیں اپنی جانب متوجہ کرتا رہا، اپنی رحمتوں کا نزول کرتا رہا کہ وقت ہے سنبھل جاؤ۔

ہمیں اس کی دربار میں اپنے گناہوں کا اقرار کرنا چاہیئے، اللہ کی دربار میں سر سجدہ میں رکھ کر، رب تعالیٰ سے مناجات کرنی چاہیئے، اللہ سے معافی مانگنی چاہیئے، استغفار کرنا چاہیئے، گڑگڑانا چاہیئے کہ یا باری تعالیٰ ہم سے کوتاہی ہوئی، جس طرح قدر کرنی چاہیئے تھی اس طرح نہ کرسکے، جس طرح استفادہ حاصل کرنا چاہیئے تھا نہ کرسکے، یا رب ہم معافی کے طالب ہیں ہمیں معاف فرما تو یقین ہونا چاہیئے کہ حقیقی ندامت پر پردگار عالم ہمیں معاف فرمادینگے۔مایوس نہیں ہونا چاہیئے وہ برا رحیم و کریم اور اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرنے والا رب ہے۔

یہاں یہ بھی امر قابل ذکر ہے کہ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے بغیر کسی حیل و حجت کے خالص رب کی رضا کے لیے اس مہینہ کو ویسے گزارنے کی کوشش کی جس طرح گزارنے کا حق بنتا تھا، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب سے دعائیں التجائیں کیں، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو بستر سے اٹھ کر قیام الیل کے لیے رب کے حضور کھڑے ہوئے، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس ماہ مبارک میں قرآن سے رشتہ جوڑا، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس ماہ مبارک میں رب کی مخلوق کی خدمت فقط اس کی رضا کے لیے کی، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس ماہ مبارک میں رب کے دربار حرمین پیش ہوئے، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں اس ماہ مبارک نے اپنے پیارا آقا کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دربار میں درود و سلام پیش کیا، سب سے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اس ماہ مبارک میں جہنم سے آزادی کے پروانے ملے۔

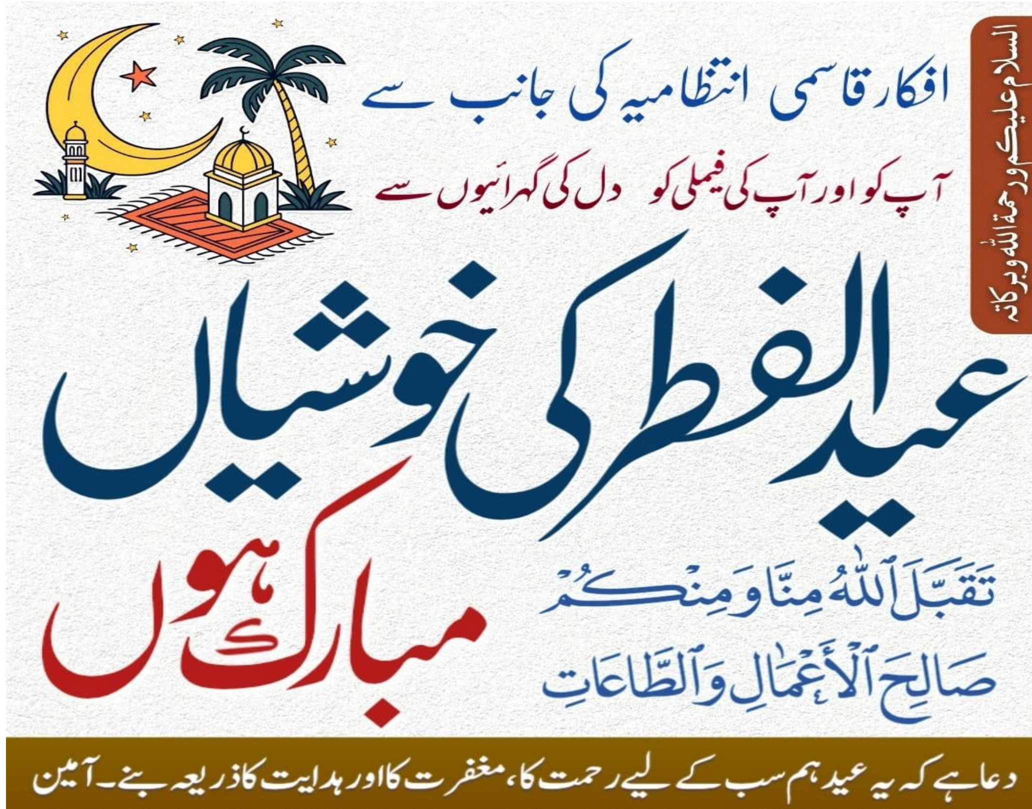
احادیث مبارکہ کے مطابق سب سے بدترین وہ شخص ہے جس نے رمضان کا مہینہ پایا اور اپنی بخشش نہ کرا سکا۔ اس لیے سب سے پہلے ہم اپنے گریبان میں جھانکیں، نظر دوڑائیں کہیں ہم ایسے لوگوں میں سے تو نہیں ہیں جن کے لیے ہلاکت کی بد دعا کی گئی ہو۔؟ اپنا موازانہ کریں ورنہ ہم خسارہ پانے والوں میں ہونگے۔

خدارا! ایک مہینہ کا مسلمان مت بنو، جو رب رمضان میں ہے وہی رب باقی مہینوں میں ہے، جو نمازیں رمضان میں فرض ہیں وہی بعد کے مہینوں میں فرض ہیں، جن چیزوں کی ممانعت رمضان میں ہے انہی چیزوں کی ممانعت دیگر مہینوں میں ہے، اس لیے ان تمام چیزوں پر صرف رمضان میں بھی نہیں غیر رمضان میں بھی ضروری ہے۔ تھوڑا نہیں مکمل سوچیئے!

آج عید الفطر کا دن ہے، خوشی کا دن ہے، اللہ سے انعام لینے کا دن ہے، بخشش کا دن ہے، اللہ سے مانگنے کا دن ہے، عطائے الٰہی کا دن ہے، مغفرت کے پروانوں کا دن ہے، اللہ سے اس کی رضا حاصل کرنے کا دن ہے، اللہ کو راضی کرنے کا دن ہے، الغرض جہاں یہ دن ہمارے لیے باعث خوشی ہے وہیں یہ دن بارگاہ الٰہی میں بندوں پر نوازشات کا دن ہے۔

الغزالی انتظامیہ کی طرف سے، افکار قاسمی ٹیم کی طرف سے اور میری طرف سے آپ سب کو عید کی خوشیاں بہت بہت مبارک ہوں۔

دعا ہے خلاق اعظم ہماری نیکیاں قبول فرمائے، کوتاہیاں اور گناہ معاف فرمائے اور ہمیں حقیقی معنوں میں سچا مسلمان بنائے۔ آمین یارب العالمین



درس قرآن


حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

شبہات

آپ علیہ السلام کی رسالت پر مشرکین ویہود نے دو شبہات وارد کئے۔

شبہ اولیٰ:۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد آپ علیہ السلام اللہ کے حکم سے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے، اس کے بعد تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا، تو آپ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے تو مشرکین ویہود نے اعتراض شروع کر دیئے کہ اس پر قبلہ مشتبہ ہو گیا۔ تمام انبیاء کا قبلہ چھوڑ دیا حیران و سرگردان ہیں شاید کہ وطن کی یاد ستانے لگی، عنقریب مدینہ چھوڑ کر مکہ جائیں گے وغیرہ (جتنے منہ اتنی باتیں) جب یہ بات ہے تو پیغمبر کیسے ہو سکتے ہیں۔

جواب شبہ:۔ تحویل قبلہ کی چار علتیں ہیں:

علت اولیٰ:

وقل للّٰہ المشرق والمغرب تایھدی من یشآء الیٰ صراطٍ مستقیم (آیۃ: ۱۴۲)

تمام سمتیں اللہ کی ہیں وہ جس طرف چاہے منہ کرنے کا حکم دے، ہم حکم کے پابند ہیں۔ اس کی پابندی کرتے ہیں۔ بیت المقدس کی طرف حکم دیا تو اُدھر رُخ کر لیا، پھر بیت اللہ کی طرف فرمایا تو ادھر مڑ گئے۔

علت ثانیہ:

ان الذین اوتوا الکتاب لیعلمون انه الحق من ربهم (آیة: ۱۴۴)

علماء اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ آخری پیغمبر کا قبلہ بیت اللہ ہو گا۔ اب کتمانِ حق کر کے شبہات پیدا کر رہے ہیں۔

علت ثالثہ تفصیلیہ:

وما جعلنا القبلة التی کنت علیها (الآیة: ۱۴۳)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تحویل قبلہ سے مقصود مخلص و منافق کا امتحان اور کھرے کھوٹے کا امتیاز ہے۔

علت رابعہ تفصیلیہ:

لئلّا یکون للناس علیکم حجةٌ (آیة: ۱۵۰)

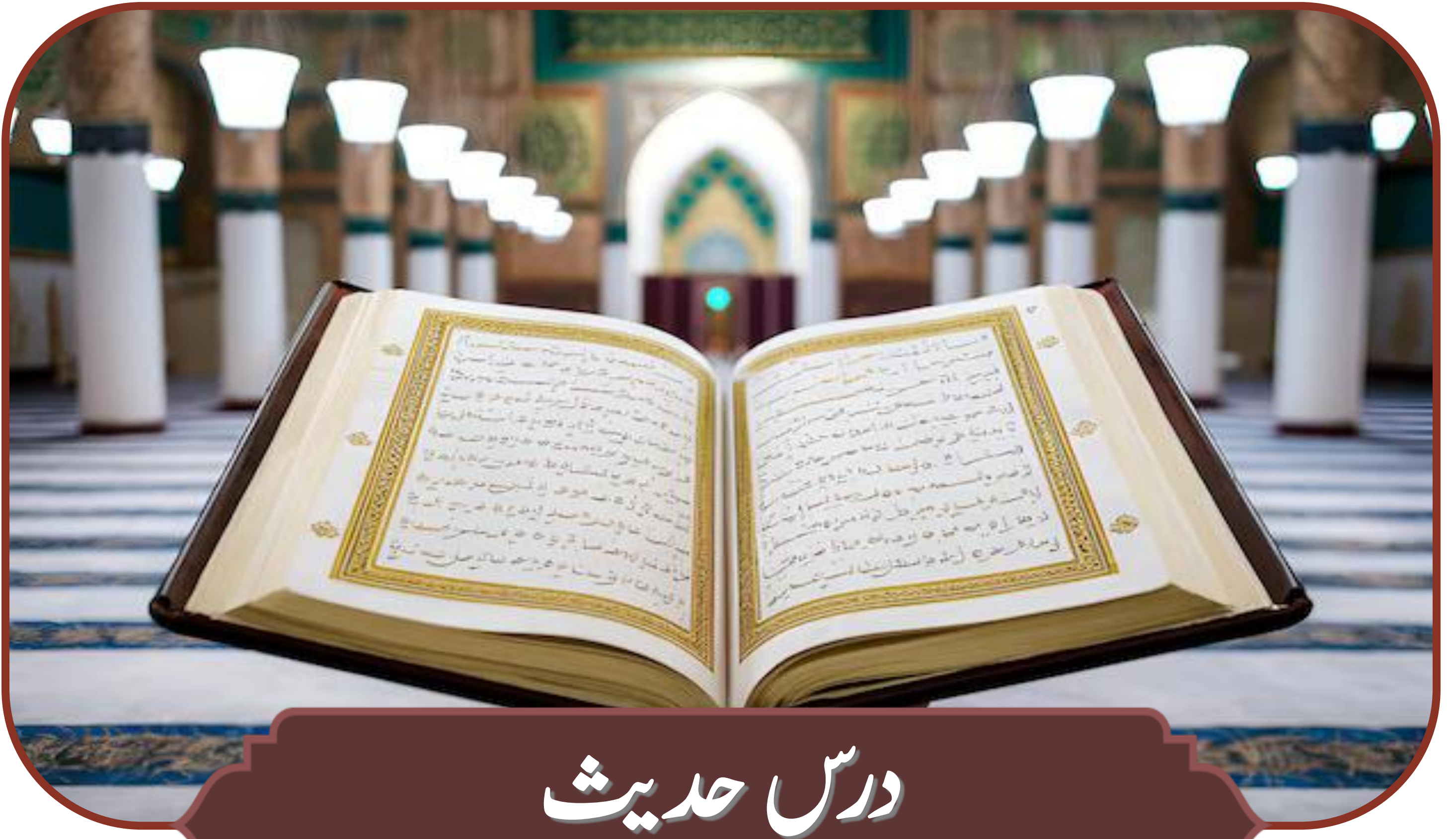
تحویل قبلہ کا حکم اس واسطے دیا گیا کہ اہلِ کتاب کا اعتراض وارد نہ ہو، وہ یہ کہ کتب سابقہ میں ہے کہ آخری پیغمبر کا قبلہ بیت اللہ ہو گا، اگر آپ برابر بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہتے تو اہل کتاب کہتے یہ آخری رسول نہیں۔ تحویل قبلہ کے ساتھ اس شبہ کو رفع کر دیا۔

شبہ ثانیہ:۔ مشرکین کو یہ اعتراض تھا کہ صفا مروہ پر توبت پرستی ہوتی رہی، اب آپ نے سعی کا حکم دے کر تعظیم شروع کر دی اور نو مسلم صحابہ کرام ؓ کو بھی تردّد ہوا کہ ان پہاڑوں کی سعی گناہ نہ ہو۔

جوابِ شبہ:۔ یہ پہاڑ بتوں سے پاک ہو چکے ہیں اور ان پر ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ توحید کی یادگاریں ہیں لہٰذا سعی کرو تا کہ ابراہیم علیہ السلام کی اتباع پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ یہ شرک نہیں۔

صبر و استقلال: تحویل قبلہ کے بعد مشرکین و یہود کی طرف سے مخالفت بڑھ جانے اور ان کی طرف سے مالی و جانی نقصان پہنچانے کے پیشِ نظر نصرتِ خداوندی حاصل کرنے کا نسخہ پیش کیا گیا، وہ ہے صبر و صلوٰۃ۔ اور انواعِ مصائب کا ذکر اور اُس پر صابرین کے لئے بشارت ہے۔





درس حدیث



حضرت مولانا خادم حسین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(۸) قَالَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ یَا خَالِدُ لَا تُرَدّ عَلَیْہِ ھَلْ اَنْتُمْ تَارِکُوْا لِیْ اُمَرَائِیْ لَکُمْ صِفْوَۃُ اَمْرِھِمْ وَعَلَیْھِمْ کَدَرَۃٌ۔ (۲/۱۷)

”فرمایا، حضور علیہ السلام ناراض ہوگئے اور فرمایا اے خالد! اسے مال سلب واپس نہ دے۔ کیا تم میرے لئے میرے مقرر کردہ امیروں کو نہیں چھوڑتے وہ تو تمہارے ساتھ صاف معاملہ رکھیں اور تم ان سے کدورت رکھو (یہ بات درست نہیں)۔“

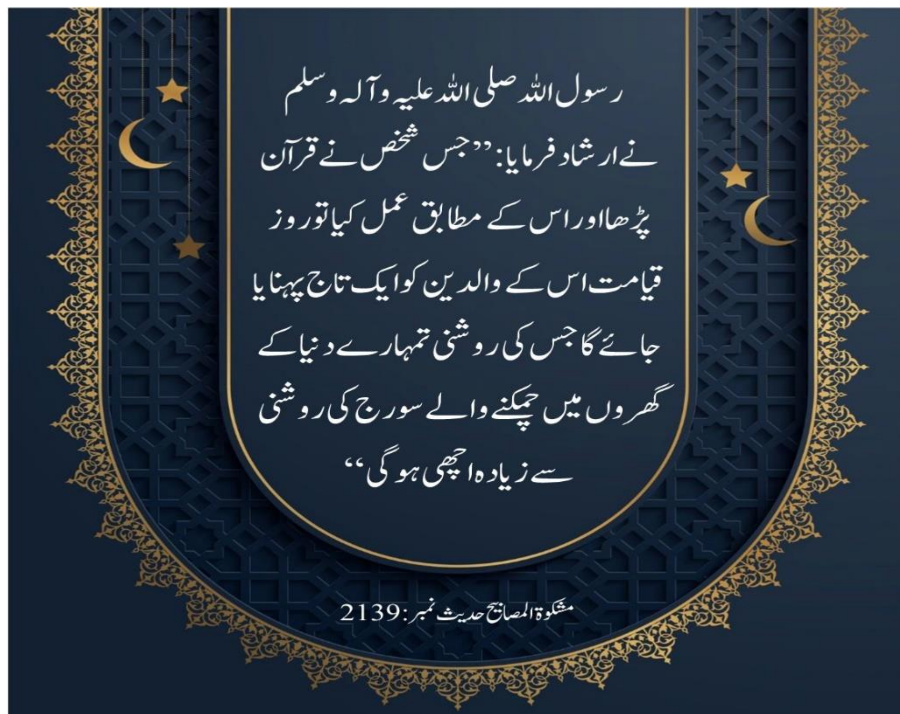
اس واقعہ کی اصل یہ ہے کہ حضرت عوف بن مالک الاشجعیؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت زین بن حارثہؓ کے ساتھ غزوہ موتہ میں نکلا ہمارے ساتھ یمن سے ایک شخص مددگار کے طور پر ساتھ ہولیا اس کے پاس صرف ایک ننگی تلوار تھی مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے اونٹ ذبح کیا تو اس یمنی نے اونٹ کی کھال کا ایک ٹکڑا مانگ کر تلوار کے لئے تھیلی سی بنالی۔ رومیوں کے لشکروں سے ہماری لڑائی ہوئی۔ ان رومیوں میں ایک شخص تھا جس کے پاس لال رنگ کا گھوڑا تھا جس کی زین پر سونا لگا ہوا تھا اور اس کے ہتھیاروں پر بھی سونا لگا ہوا تھا اور وہ مسلمانوں کو زخمی اور قتل کرتا جارہا تھا۔ وہ یمنی مددی ایک چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا جب وہ رومی وہاں سے گزرا تو اس نے اٹھ کر اس کے گھوڑے کے پاؤں کاٹ دیئے تو وہ گر گیا اس نے اس پر حملہ کرکے اسے قتل کردیا اور اس کا گھوڑا اور دیگر سامان جمع کرلیا۔ جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطاء فرمائی تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس یمنی کو بلایا اور اس سے سامان سلب لے لیا حضرت عوفؓ کہتے ہیں کہ میں آیا اور کہا اے خالدؓ! آپ کو معلوم نہیں کہ آپ علیہ السلام نے سامان سلب کا فیصلہ قاتل کے لئے کیا ہوا ہے۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا جی ہاں لیکن یہ سامان بہت زیادہ ہے۔ عوفؓ فرماتے ہیں کہ میں نے

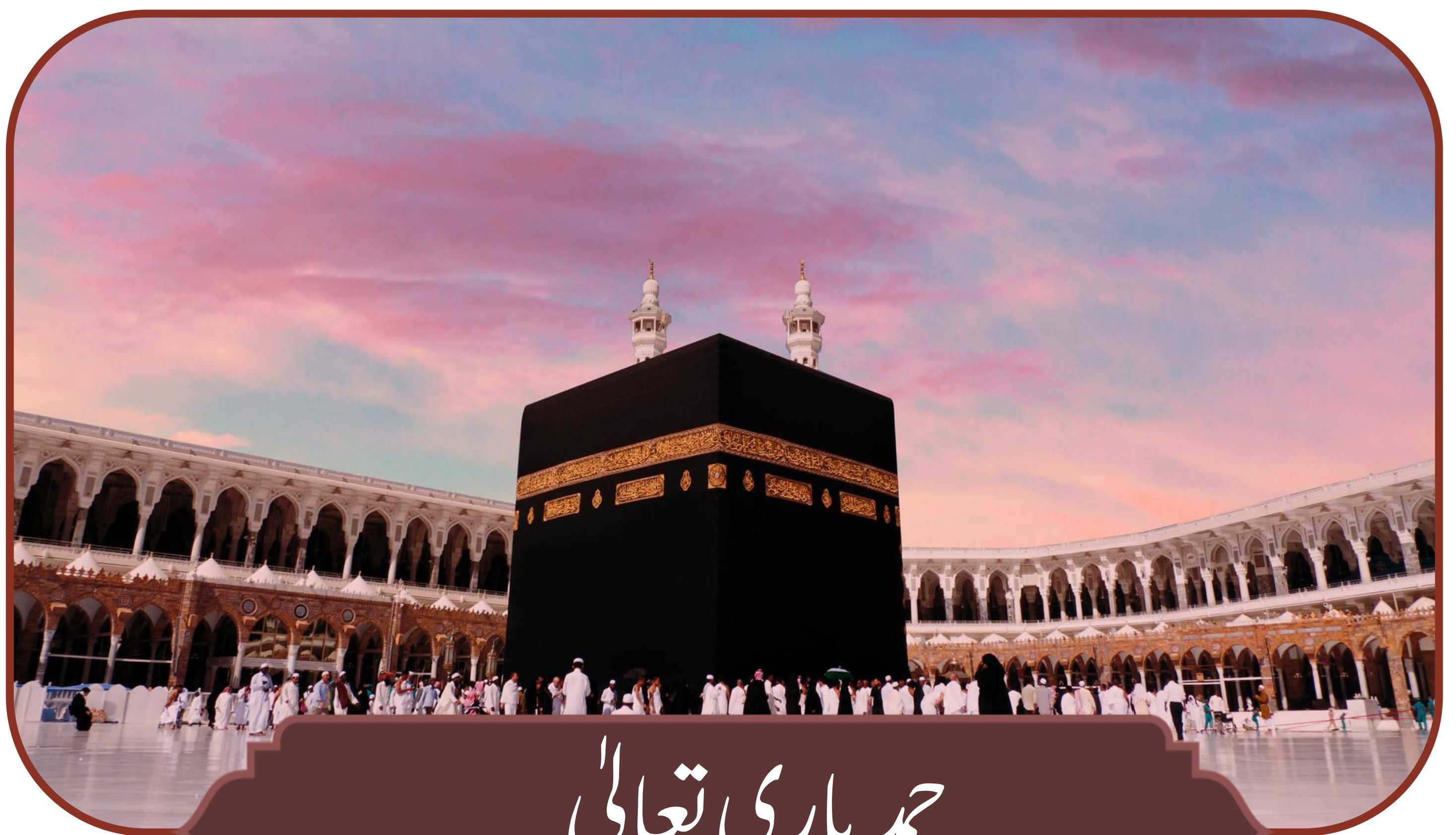


کہا یہ سامان اسے دے دیجئے ورنہ میں حضور علیہ السلام کو بتاؤں گا حضرت خالدؓ نے سامان دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عوفؓ فرماتے ہیں کہ ہم واپس آکر حضور علیہ السلام کے پاس جمع ہوئے تو میں نے سارا قصہ بیان کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے خالد! جو تو نے اس مددی سے لیا ہے واپس کر دے۔ حضرت عوفؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا لے خالدؓ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا وہ کیا ہے؟ میں نے وہ بیان کیا تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے اور فرمایا اے خالدؓ! سامان واپس نہ دو۔ اور صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم میرے مقرر شدہ امیروں کو میری خاطر چھوڑتے نہیں وہ تمہارے ساتھ صفائی کے ساتھ پیش آتے ہیں اور تم ان سے کدورت رکھتے ہو۔

ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی یہ ناراضگی دین کی خاطر تھی کہ ایک مباح اور جائز کام ہے کرنے نہ کرنے کی گنجائش موجود ہے اس پر اپنے امیر سے اختلاف کرنا اور اسے دھمکی دینا تفریق کا باعث ہے اور تفریق سے اجتماعیت ختم ہو جاتی ہے اجتماعیت کے ٹوٹنے سے قوت ٹوٹ جاتی ہے قوت ٹوٹنے سے کمزوری آتی ہے اور دشمن کے غلبے کا زبردست خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بظاہر چھوٹی سی بات اپنے دامن میں اتنا نقصان رکھتی ہے اس واسطے آپ اناراض ہوئے کیونکہ بغیر اعلان کے سلبِ مقتول قاتل کو دینا یا نہ دینا امیر کے اختیار میں ہے اس پر امیر سے لڑنا یا اختلاف کرنا مناسب نہیں۔

اس غزوہ موتہ کو جیش الامراء بھی کہتے ہیں اس میں تین امیر بنے تھے پہلے حضرت زیدؓ، وہ شہید ہو گئے تو حضرت جعفر طیارؓ امیر بنے، وہ شہید ہو گئے تو عبد اللہ بن رواحہؓ امیر بنے، یہی ترتیب آپ ﷺ نے لشکر روانہ کرتے ہوئے بنائی تھی جب حضرت عبد اللہؓ بھی شہید ہو گئے تو حضرت خالد بن ولیدؓ امیر لشکر بنے اور فتح ہوئی۔ (بخاری) سیرۃ المصطفیٰ ۴۵۸/۲)





حمد باری تعالیٰ

ایم راقم نقشبندی

ٹوٹ چکا ہے دل میرا،تنہائی نے آ گھیرا
رسوا ہوا لمحہ سن لے میرے پاک خدا۔

یاد سے تیری غافل تھا،اپنے وقت کا قاتل تھا
نظر غیر میں کامل تھا،تیری نظر میں جاہل تھا

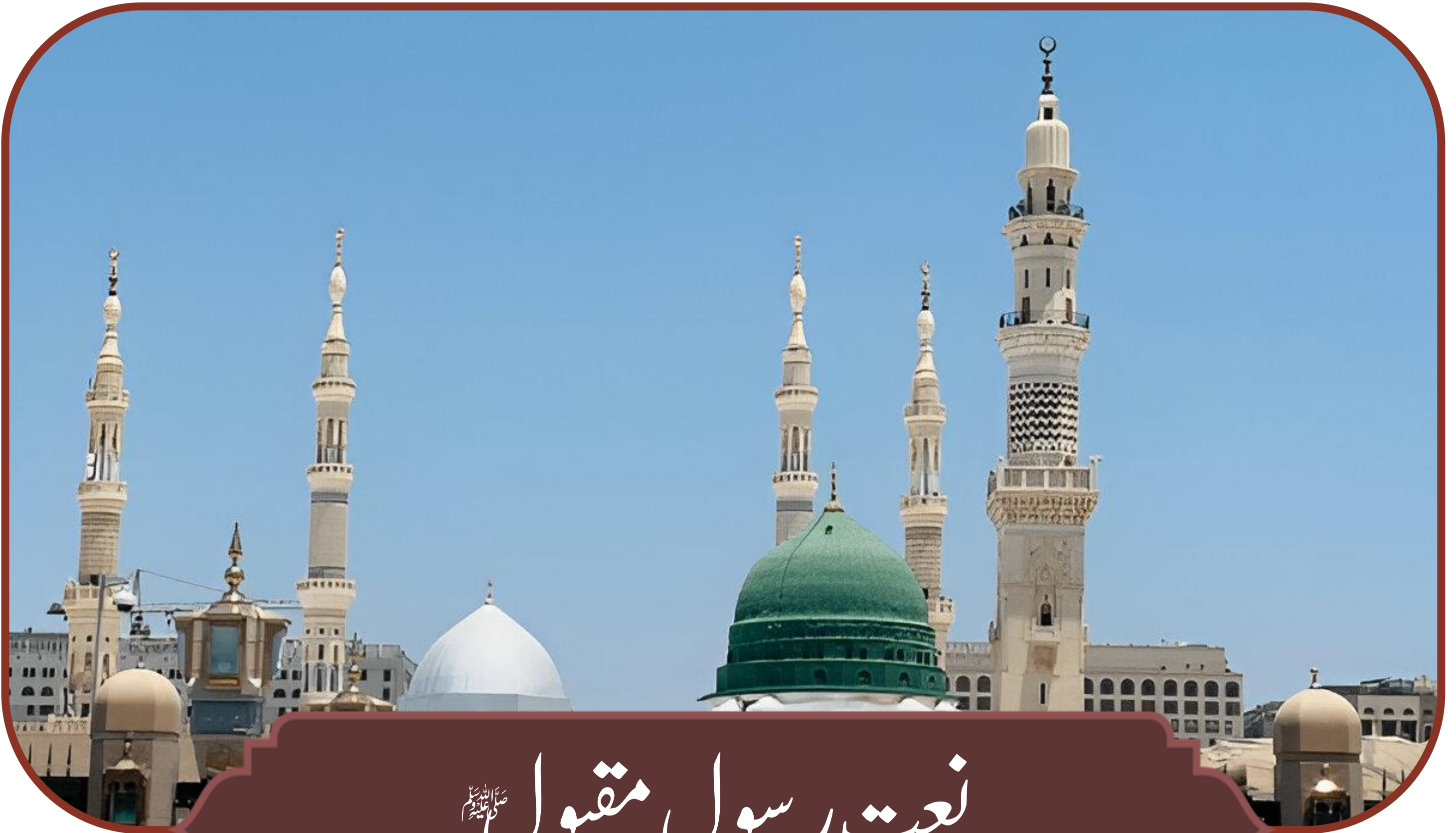
کردے کرم مجھ پر اپناسن لے میرے پاک خدا۔
دنیا ہے مکّار بہت،کرتی ہے یہ پیار بہت

ظاہر میں اظہار بہت،اور پوشیدہ وار بہت
اس دلدل سے مجھ کو بچا،سن لے میرے پاک خدا۔

راقم تجھ پر ہے قربان،تو ارحم ہے تو رحمان
تونے دیا ہے اک قرآن،یعنی بخشش کا سامان

تیرا کرم ہے تیری عطا،سن لے میرے پاک خدا
تیرا کرم ہے تیری عطا،سن لے میرے پاک خدا





آ گئے خیرالوریٰ، صلے علے صلے علے
آ گئے شمس الضحیٰ ، صلے علے صلے علے

آپ کی آمد ہوئی تو نور ہر سو چھا گیا
ہر طرف تھی یہ صدا ، صلے علے صلے علے

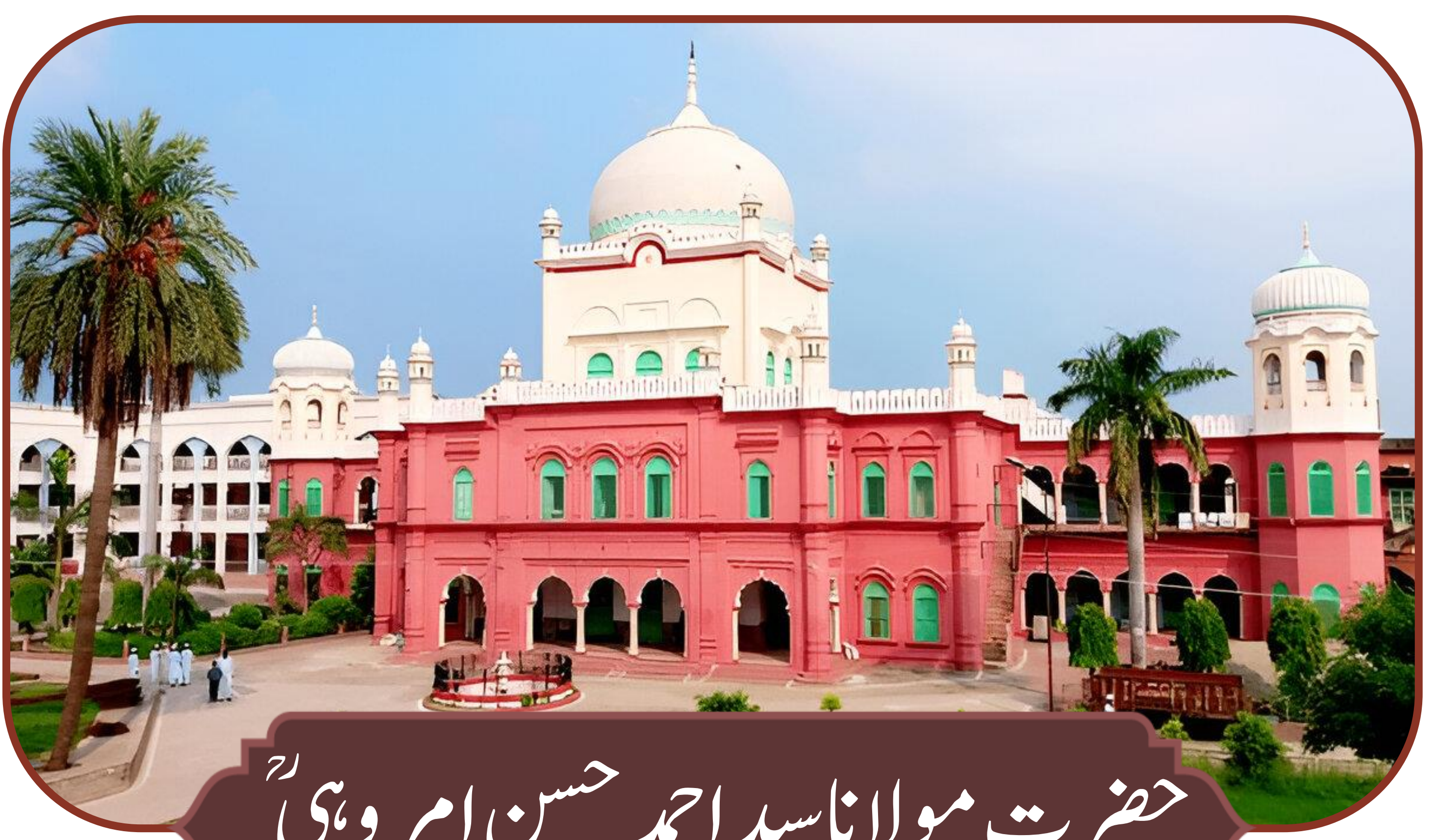
مشرکوں کی بت کدوں کی روشنی مر جھا گئی
آپ کا جلوہ ہوا ، صلے علے صلے علے

مسجد اقصیٰ میں سارے انبیا تھے مقتدی
مصطفی تھے مقتدا ، صلے علے صلے علے

گر گئے مینارِ کسریٰ بجھ گئے آتش کدے
گونج اٹھی ہر جگہ ، صلے علے صلے علے

ہر گھڑی صلے علے صلے علے کا ورد ہو
پڑھ رہا ہے خود خدا ، صلے علے صلے علے





حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ

مدیر کے قلم سے

ولادت باسعادت

حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ محلہ صدو (گلی گھاٹے والی) میں ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۰ء) میں پیدا ہوئے۔

نام ونسب:۔

آپ کا اسم گرامی سید احمد حسن تھا اور والد ماجد کا نام اکبر حسین تھا، ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں حضرت کا نام احمد حسین تھا۔ آپ کا تعلق سادات حسینی سے ہے اور آپ امروہہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ سید ابنؒ قدس سرہ کی اولاد میں ہیں، حضرت شاہ ابن اکبری دور کے مشائخ میں تھے۔ (سید العلماء، مفتی نسیم احمد فریدی امروہیؒ و مولانا محب الحقؒ، ص:۲۰) (حضرت مولانا سید احمد حسن، احوال وآثار، ص:۷۲)

شجرہ نسب:۔

حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ کا سلسلہ نسب حضرت حسین بن علیؓ سے جاملتا ہے۔ (حضرت مولانا سید احمد حسن، احوال وآثار، ص:۷۳)

تعلیم:۔

حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ نے ابتدائی و متوسط عربی اور فارسی کی تعلیم مولانا سید رافت علی صاحبؒ، مولانا کریم بخش صاحب نخشبیؒ اور مولانا سید محمد حسین صاحب جعفریؒ سے حاصل کی۔ (سید العلماء، ص:۲۱)

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے طب کی تعلیم امروہہ کے مشہور طبیب حکیم امجد علی خاں کنبوہ سے پڑھی۔(حضرت مولانا سید احمد حسن، احوال وآثار، ص:۷۴)

حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ نانوتہ، میرٹھ اور دیوبند میں رہ کر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے تمام علوم وفنون کی تکمیل کرکے فارغ التحصیل ہوئے، حضرت نانوتویؒ نے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا فخر الحسنؒ اور حضرت امروہیؒ کو آخر میں ایک دوسال کے لئے دارالعلوم دیوبند بھی بھیج دیا تھا اور وہیں حضرت نانوتویؒ نے ۱۹/ ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ مطابق ۹/ جنوری ۱۸۷۴ء کو ان تینوں کی دستار بندی کرائی تھی۔(سید العلماء، ص:۲۱)

بیعت وخلافت:

حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ اپنے استاذ قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علاوہ شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ فاروقی مہاجر مکیؒ سے بھی بیعت تھے۔حضرت حاجی صاحبؒ نے بغیر طلب کے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا۔(سید العلماء، ص:۲۲)

تدریس:۔

تمام علوم وفنون کی تحصیل وتکمیل کے بعد حضرت نانوتویؒ کی ایماء پر حضرت محدث امروہیؒ نے خورجہ کے مدرسہ سے درس وتدریس کا آغاز کیا۔ وہاں یہ مدرسہ قاسم العلوم یا مدرسہ قاسمیہ کے نام سے قائم تھا، جس کو حضرت قاسم العلوم والمعارفؒ نے قائم فرمایا تھا۔اس وقت آپ نوجوان تھے۔آپ اُس مدرسہ کے صدر مدرس رہے اور وہاں پر مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ بھی رفیق مدرس رہے۔کچھ عرصہ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ بھی حضرت امروہیؒ کے ساتھ مدرس رہے۔حضرت محدث امروہیؒ کس سن میں خورجہ گئے اور کب تک وہاں رہے یہ نہ معلوم ہوسکا۔(سید العلماء، ص:۲۳)

قیام مدرسہ امروہہ کے چند سال بعد دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے حضرت محدث امروہیؒ کو دارالعلوم دیوبند بلالیا۔حضرت شیخ الہندؒ کو اور آپ کو برابر درجہ پر رکھا گیا۔البتہ حضرت مولانا امروہیؒ کی تنخواہ قدرے زیادہ رکھی گئی۔حضرت مولانا امروہیؒ وہاں پر غالباً دوماہ سے زیادہ نہیں رہے۔بیضاوی، شمس بازغہ، صدرا وغیرہ کتب حضرت مولانا امروہیؒ کے سپرد کی گئیں۔دارالعلوم دیوبند میں نودرہ کی کسی درسگاہ میں حضرت محدث امروہیؒ درس دیتے تھے۔

مولوی نادر شاہ خاں صاحب وکیل مہتمم مدرسہ امروہہ دیوبند پہنچے اور بہت کوششوں سے حضرت محدث امروہی کو دوبارہ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ واپس لے آئے۔(سید العلماء، ص:۳۹)

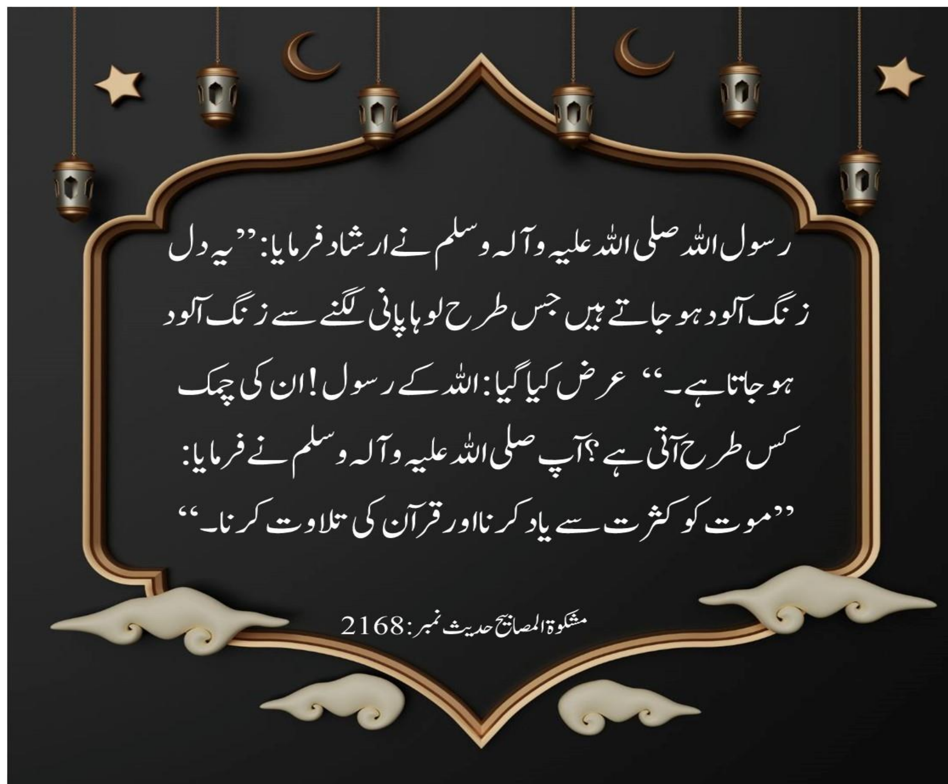
حج بیت اللہ:

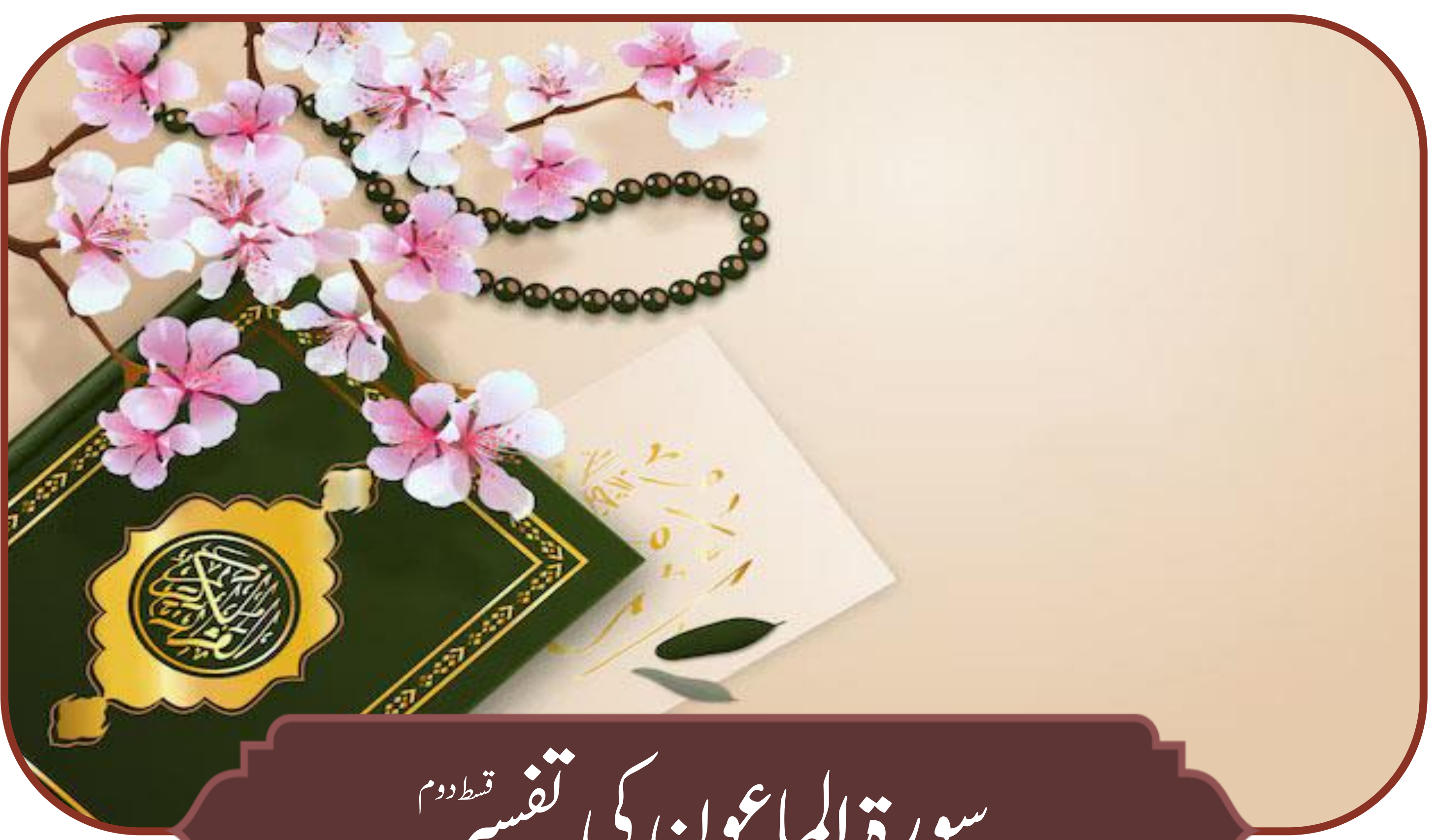
حضرت محدث امروہیؒ نے اپنے استاذ معظم قاسم العلوم والمعارف حضرت نانوتویؒ کی معیت میں یہ مبارک سفر کیا۔ جبکہ آپ کے درس کا سلسلہ خورجہ میں ہی تھا۔ اس وقت آپ نوجوان تھے۔ عمر تقریباً ۲۵۔۲۶ سال کی ہو گی۔ حضرت نانوتویؒ نے تین حج کئے۔ پہلا ۱۸۶۰ء میں دوسرا ۱۸۷۰ء میں اور تیسرا ۱۸۷۶ء میں۔ آپ غالباً تیسرے حج میں ساتھ تھے۔ اس سفر حج میں حضرت نانوتویؒ کے ساتھ علماء کی ایک جماعت بھی حج کے لئے گئی تھی۔ (سید العلماء)

وفات:۔

ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کے آخری ہفتہ میں چند روز شدید بخار آیا۔ اس سال طاعون کی وباء شہر میں پھیلی ہوئی تھی۔ بالآخر اسی میں مبتلا ہو کر "المطعون شہید" کا مصداق بن گئے۔

۲۸،۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کی درمیانی شب میں بعد نمازِ عشاء ۱۱ بجے شب بروز منگل آپ کا وصال ہوا۔ مولانا حافظ محمد احمد صدیقی نانوتویؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، ۲۹/ربیع الاول ۱۳۳۰ھ موافق ۱۹/مارچ ۱۹۱۲ء بروز سہ شنبہ صحن جامع مسجد امروہہ کے جنوبی گوشے میں دفن ہوئے۔ (سید العلماء، ص:۱۴۲)(تذکرہ علماء امروہہ، مصباح احمد صدیقی، ص:۹۹)





سورۃ الماعون کی تفسیر قسط دوم

مولانا عبدالمتین لیاری صاحب

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یتیم بچے کے لیے جدوجہد کرنا

ابو جہل کے پاس ایک یتیم کا مال تھا وہ بچہ ایک روز اس حالت میں اس کے پاس آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے، بچے نے گزارش کی کہ اس کے والد کے چھوڑے ہوئے مال میں سے اسے کچھ دیا جائے، اس ظالم نے اس بچے کی طرف کچھ توجہ تک نہ کی اور وہ بچہ مایوس ہو کر واپس لوٹ گیا۔ قریش کے سرداروں نے شرارت کے ارادے سے اس سے کہا کہ

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر شکایت کر لو وہ ابو جہل سے سفارش کر کے تجھے تیرا مال دلوا دیں گے"

حالانکہ وہ کسی مزے دار جھڑپ کے ارادے سے یہ سب کر رہے تھے کہ دیکھیں ان کے درمیان کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ چناں چہ وہ بچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور اپنا ماجرہ کیا کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اس بچے کو ساتھ لے کر ابو جہل کے پاس پہنچ گئے۔ آپ کو دیکھ کر ابو جہل کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کو بس ایک جملہ کہا "دو اس یتیم کا مال "تو وہ فوراً مان گیا اور ایک دم سے اس کا مال لا کر دے دیا۔ جب قریش کے سرداروں نے یہ معاملہ دیکھا تو ہکا بکا رہ گئے اور ابو جہل کو طعنہ دینے لگے کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ بیٹھے ہو تم نے فوراً اس کی بات کیوں مانی؟ ابو جہل نے جواب میں کہا کہ "خدا کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا! مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دائیں اور بائیں طرف ایک نیزہ ہے جو میرے اندر گھس جائے گا اسی خوف سے میں نے مال واپس کر دیا"۔

3۔ یتیم کے ساتھ برا سلوک کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کی سرپرستی کرنے والا باپ موجود نہیں ہوتا اور یتیم اپنی کم عمری اور ناسمجھی کی عمر میں ہوتا ہے، اسی لیے یتیم ظالم لوگوں کے لیے ایک آسان شکار بن جاتا ہے اور اس طرح وہ یتیم کی جان مال عزت پر حملہ آور ہوجاتے ہیں۔ اللہ رب العزت ایسے ظالموں کو آخرت کا منکر قرار دے رہے ہیں، ان کو ذرا بھی خدا کو جواب دہی کا احساس ہوتا تو وہ کبھی بھی ایسا نہ کرتے۔

4۔ دین اسلام میں یتیم کا ذکر کافی تفصیل سے کیا گیا ہے جس میں یتیم کے ساتھ حسن سلوک، یتیم کی خبر گیری، یتیم کا مال، یتیم کی پرورش وغیرہ کے حوالے سے۔

5۔ یتیم معاشرے کا ایک اہم طبقہ ہے اور ان پر جو حالات آچکے ہیں وہ کسی پر بھی آسکتے ہیں، لہذا یتیم کے حقوق سے بے خبر ہونا بہت خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے، ان کے حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کیے جائیں تو معاشرے کا توازن برقرار رہتا ہے اور ہمدردی خیر خواہی کی ایک فضا ہموار رہتی ہے ، چونکہ یہ ہمارے معاشرے کا مستقبل ہوتے ہیں اسی لیے جتنا زیادہ اس طبقے کو توجہ دی جائے اتنا ہی ہماری آئندہ نسلیں اور ماحول ایک خوشگوار سمت میں چلنے لگتا ہے۔ اگر ہم یتیم کے حقوق سے بے خبر رہے یا ان کے ساتھ ظلم و جبر کا معاملہ رہا تو چونکہ یہ ہمیشہ بچے نہیں رہتے کچھ عرصہ بعد بڑے ہوجاتے ہیں اور پھر وہ بڑے ہو کر اسی ظلم و جبر کو جو ان پر کیا گیا تھا معاشرے پر فساد کی شکل دے کر آزماتے ہیں جس کے نتیجے میں معاشرہ احساس محرومی، احساس کمتری، قتل و غارت، لوٹ مار اور حق تلفی کی تصویر سامنے پیش کرتا ہے۔

4۔ عام طور پر یتیم کے ساتھ جو بدسلوکی کی جاتی ہے وہ غیر نہیں بلکہ اپنے کرتے ہیں، چچا، ماموں، یا کوئی اپنے خاندان کا سرپرست ہوتا ہے۔

3۔ یتیم کے والد اگر اپنے بچوں کے لیے کچھ مال چھوڑ کر دنیا سے جاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ وہ مال اب کوئی بھی اپنی مرضی سے خرچ کرے یا کوئی آکر اپنا حق جتانے لگے، خوب سمجھنا چاہیے کہ وہ مال یتیموں کی امانت ہوتی ہے اور جب تک وہ بالغ نہ ہوجائیں اس مال کی حفاظت قریبی رشتہ داروں کی ذمہ داری ہوتی ہے تاکہ کل پرسوں یہ بچے جب بڑے ہوجائیں تو یہ سب دوبارہ ان کے حوالے کیا جائے اور ان کو اس مالی نعمت کی وجہ سے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑے۔

6۔ سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی بھرپور دیکھ بھال کریں اور ان کا کھانا پینا، تعلیم و تربیت، لباس و پوشاک، حفظان صحت اور رہائش وغیرہ جیسے اہم امور کا خوب خیال رکھیں تاکہ کل پرسوں یہ کسی احساس کمتری کا شکار نہ ہوں۔

5۔ وَفِيٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ (ذاریات 19)

اور ان کے مالوں میں سائلوں اور محروم لوگوں کا (باقاعدہ) حق ہوتا ہے۔

قرآن کے مطابق یتیموں کے ساتھ حسن سلوک ان پر احسان نہیں ہے بلکہ یہ ان کا بنیادی حق ہے اور یہ حق مالداروں کے اپنے اس مال میں سے دینا چاہیے جو اللہ نے ان کو دیا ہے اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ مال خوب دیتے ہیں تو اسی بات پر آزماتے ہیں کہ یہ اس مال میں موجود اللہ کے بندوں کے حقوق ادا کرتا ہے یا نہیں کرتا یا پھر سانپ بن کر "میرا مال میرا مال" کے نعرے پیٹتا ہے۔

موجودہ یتیم خانے

6۔یتیموں کی خبر گیری کے لیے موجودہ دور میں مختلف یتیم خانے قائم کیے گئے ہیں اور یہ اس دور کی سب سے عجیب بات ہے کہ ہر خیر کے کام کے لیے ایک ادارہ بنایا جاتا ہے، حالانکہ شریعت نے خیر کے کاموں کے لیے عام افراد اور عام انسانوں کو مخاطب کیا ہے کسی ادارے کو مخاطب نہیں کیا، ہر مقصد کے لیے ادسرے بنانے کا یہ انداز ماڈرن ازم کی پیداوار ہے جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص جب کسی یتیم بچے کو اپنے گھر میں پالتا ہے اور اس بچے کو اپنی حیثیت کے مطابق وہ تمام بنیادی سہولیات دیتا ہے جو اپنے بچے کو دے سکتا ہے اور وہ خود باپ بن کر اس کی بیوی ماں بن کر اس کے بچے بھائی بہن بن کر جب اس بچے کا ساتھ دیتے ہیں تو وہ یتیمی کے کٹھن دن اس کے خوب صورت دنوں میں بدل جاتے ہیں اور وہ معاشرے میں پل بڑھ کر جب بڑا ہوتا ہے تو ہمدردی کے ایک دور سے گزرنے کے بعد ایک خیر خواہ انسان کا کردار ادا کرتا ہے۔

ہم اپنے دل پر ہاتھ کر کر سوچیں کیا یتیم خانے میں پلنے والا یتیم اس یتیم کا کسی بھی اعتبار سے مقابلہ کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں کر سکتا!!! بالکل بھی نہیں کر سکتا!!!

کیونکہ یتیم خانے میں اور ایک گھر میں زمین آسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔

7۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کم از کم یہ پکی نیت کرلے کہ میں معاشرے میں موجود کسی نہ کسی یتیم کی کفالت کا ذمہ لیتا ہوں۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ (3)

اور مسکین کو کھانا دینے کی ترغیب نہیں دیتا

1۔اس آیت میں آخرت کا انکار کرنے والوں کی دوسری علامت کا ذکر کیا گیا ہے۔

2۔آخرت کے منکروں کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ مسکین کے حقوق ادا نہیں کرتے۔

3۔شریعت کے مطابق مسکین اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس زندگی گزارنے کے اسباب نہایت محدود ہوں، جس کے گھر کبھی چولہا جلتا ہو اور کبھی فاقے ہوں، کچھ دن صحت کے گزرتے ہوں اور بیماری اسے اچانک گھیر کر مجبور کر دیتی ہو، الغرض جس کی زندگی کی گاڑی بڑی مشکل سے چل رہی ہو۔

4۔ انسانی زندگی کی بنیادی ضروریات کھانا، پینا، لباس، رہائش اور سواری ہیں مسکین کے پاس یہ بنیادی سہولیات نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔

5۔ آیت میں مسکین کو " کھانا کھلانے کی ترغیب" کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ " کھانا پینا" انسان کی مادی ضروریات میں سب سے پہلی ضرورت ہے، کسی کے پاس کھانے کو ہی کچھ نہ ہو تو وہ بقیہ ضرورتیں کہاں سے پوری کر سکے گا۔

6۔ مسکین قسم کے لوگ موجودہ دور میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں اور اپنی مالی تنگی کی وجہ سے بنیادی ضروریات سے بھی محروم رہتے ہیں۔ اس آیت میں معاشی اعتبار سے بہتر افراد کو متوجہ کیا جارہا ہے کہ وہ صرف اپنی فکر میں مگن نہ رہیں بلکہ مسکین کی خبر گیری کا بھی اہتمام کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ خود فاسٹ فوڈ کے مزے اڑانے میں۔ مشغول ہیں اور پڑوں میں موجود مسکیں دال روٹی کو بھی ترس رہا ہے۔

7۔ یہاں بھی پچھلی آیت کا مضمون دہرایا جاسکتا ہے کہ مال صرف اپنے ذاتی خرچ کے لیے نہیں ہوتا (جاری ہے۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”بلند آواز سے قرآن پڑھنے والا، علانیہ صدقہ کرنے والے کی طرح ہے، جبکہ آہستہ قرآن پڑھنے والا چھپا کر صدقہ کرنے والے کی طرح ہے۔“

مشکوۃ المصابیح حدیث نمبر: 2202



حضرت ابو قلابہؒ



مولانا محمد ضیاء الرحمن صاحب

ایک مرتبہ عبد اللہ بن محمد "مصر" کے ایک ساحلی علاقے میں ٹھہرا ہوا تھا، ٹہلتا ہوا سمندر کے کنارے جا نکلا، وہاں دیکھا کہ ایک شخص خیمہ میں ہاتھ پاؤں سے معذور ہے اور آنکھوں کی نعمت سے بھی محروم ہے، اور کانوں سے بھی کم سنائی دیتا ہے، اس کے جسم میں صرف اس کی زبان سلامت ہے ،ایک طرف اس کی یہ حالت ہے اور دوسری طرف وہ بلند آواز سے کہہ رہا ہے:

میرے رب! مجھے اپنی نعمتوں پر شکر کی توفیق عطا فرما، مجھے تو نے اپنی مخلوق میں سے بہت سوں پر فضیلت بخشی ہے، اس فضیلت پر مجھے اپنی حمد و ثناء کی توفیق عطا فرما۔

عبد اللہ نے یہ دعا سنی تو اسے بڑی حیرت ہوئی، ایک آدمی ہاتھ پاؤں سے معذور ہے، بینائی سے محروم ہے، جسم میں زندگی کی تازگی کا کوئی اثر نہیں اور وہ اللہ سے نعمتوں پر شکر کی دعا مانگ رہا ہے، اس کے پاس آکر سلام کیا اور پوچھا: حضرت! آپ اللہ تعالی کی کس نعمت پر شکر اور حمد و ثناء کی توفیق طلب کر رہے ہیں؟

معذور شخص نے جواب میں فرمایا اور خوب فرمایا: آپ کو کیا معلوم میرے رب کا میرے ساتھ کیا معاملہ ہے، اللہ کی قسم! اگر وہ آسمان سے آگ برسا کر مجھے راکھ کر دے، پہاڑوں کو حکم دے کر مجھے کچل دے، سمندروں کو مجھے غرق کرنے کے لیے کہہ دے اور زمین کو مجھے نگلنے کا حکم دے، تو بھی میں اس کا برابر شکر ادا کرتا رہوں گا، اس لیے کہ اس نے مجھے صحیح سالم زبان عطا کی ہے، اگر ساری زندگی بھی اس نعمت کا شکر ادا کروں، تو بھی اس کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔



پھر فرمانے لگے: میرا ایک چھوٹا بیٹا میری خدمت کرتا ہے، خود میں معذور ہوں، زندگی کی ضروریات اسی کے سہارے پوری ہوتی ہیں، کھانا کھانے اور نماز پڑھنے اور دوسری چیزوں میں وہی میری مدد کرتا ہے لیکن وہ تین دن سے غائب ہے، معلوم نہیں کہ کہاں ہے، آپ اس کا پتہ کر لیں تو مہربانی ہو گی۔

عبد اللہ نے دل میں کہا: یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے ایسے صبر و شکر کرنے والے محتاج انسان کی خدمت کا موقع ملا، عبد اللہ نے جنگل میں اس کی تلاش شروع کی، تو یہ دردناک منظر دیکھا کہ زمین پر ایک لڑکے کی لاش پڑی ہوئی ہے، جسے جگہ جگہ سے درندوں اور پرندوں نے نوچ رکھا ہے، یہ اسی معذور شخص کے بیٹے کی لاش تھی، اس معصوم کی لاش اس طرح دیکھ کر عبد اللہ کی آنکھوں میں آنسوں بھر آئے اور یہ فکر لاحق ہوئی کہ اس کے معذور والد کو اس دردناک حادثہ کی اطلاع کیسے دے؟

ان کے پاس گئے، کچھ دیر بات کرنے کے بعد انھیں اطلاع کر دی، بیٹے کی موت سے کون ہو گا جس کا جگر پارہ پارہ نہ ہو۔

یہ خبر سن کر معذور والد کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہو گئے، اور شکوہ و شکایت کے بجائے فرمانے لگے:

تمام تعریف اللہ تعالی کے لیے ہے جس نے میری اولاد کو اپنا نافرمان نہیں پیدا کیا اور اسے جہنم کا ایندھن بننے سے بچایا، "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ" پڑھا اور ایک چیخ کے ساتھ ان کی بھی جان نکل گئی۔

ان کی اس طرح اچانک موت کو عبد اللہ بھی برداشت نہ کر سکا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، کچھ لوگ اس طرف نکلے، رونے کی آواز سنی، خیمے میں داخل ہوئے، میت کے چہرے سے کپڑا ہٹایا، تو اس سے لپٹ گئے، کوئی ہاتھ چومتا، کوئی آنکھوں کو بوسہ دیتا، ساتھ ساتھ کہے جاتے:

ہم قربان ان آنکھوں پر جنھوں نے کبھی کسی غیر محرم کو نہیں دیکھا، ہم فدا اس جسم پر جو لوگوں کے آرام کے وقت بھی اپنے مالک کے سامنے سجدے میں پڑا رہتا، جس نے اپنے رب کی کبھی نافرمانی نہیں کی۔

عبد اللہ یہ صورت حال دیکھ کر حیران ہو رہا تھا، پوچھا: یہ کون ہیں؟

کہنے لگے: آپ ان کو نہیں جانتے؟ یہ رسول اللہ ﷺ کے سچے عاشق اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگرد اور مشہور محدث ابو قلابہؒ ہیں۔



حضرت لقمان کا حسن سلوک



مولانا محمد منیب الرحمن صدیقی صاحب

شیخ الادب حضرت مولانا عزاعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت لقمان کو ان کے آقا نے فروخت کرنا چاہا تو انہوں نے آقا سے کہا کہ آپ پر میرا کچھ بنتا ہے اس لیے میری گزارش ہے کہ آپ مجھے اس کے ہاتھ فروخت کریں جسے پسند کروں، آقا نے کہا کہ اس کا تجھے اختیار ہے، چنانچہ جو بھی آکر بھاؤ لگاتا آپ اس سے دریافت کرتے کہ بھائی کس کام کے لیے مجھے خریدنا چاہتے ہو، ایک نے کہا کہ اپنے دروازے کی دربانی کے لیے، آپ نے فرمایا خرید لو، جب رات ہوئی تو آپ نے دروازہ بند کرکے دہلیز میں نماز پڑھنی شروع کردی، اس شخص کی لڑکیوں کے کچھ یار لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ لڑکیوں نے کہا لقمان دروازہ کھول دے، آپ نے فرمایا۔ میرے ماں باپ تم پر قربان تمہارے والد نے مجھے اس لیے نہیں خریدا، لڑکیوں نے دروازہ کھولنے پر آپ کو مارا اور اتنا مارا کہ ادھ موا کر دیا، جب صبح ہوئی تو آپ نے ان کے والد کو رات کے واقعہ کی کوئی خبر نہ دی، دوسری رات انہوں نے پھر ایسے ہی کیا آپ نے پھر بھی ان کے والد کو خبر نہ دی، تیسری رات پھر ایسے ہی کیا، آپ نے پھر بھی خبر نہیں دی تو وہ لڑکیاں آپس میں کہنے لگیں، اللہ نے اس حبشی غلام کو اس خیر کے متعلق ہم سے بہتر نہیں بنایا، راوی کا کہنا ہے کہ دو لڑکیاں ایسی نیک و پارسا ہوئیں کہ بنی اسرائیل میں ان سے بہتر کوئی لڑکی نہیں تھی۔ "حضرت لقمان کو دانائی ملنے کا کیا سبب ہوا۔



حضرت عمرو بن قیس رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ حضرت لقمان ایک روز ایک مجلس میں لوگوں کو حکمت و دانائی کی باتیں سنا رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کیا تم وہی نہیں ہو جو میرے ساتھ فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں، اس نے کہا کہ پھر تم کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ مخلوق تمہاری تعظیم کرتی ہے اور تمہارے کلمات حکمت سننے کے لیے دور دور سے آکر جمع ہوتے ہیں آپ نے فرمایا اس کی وجہ میرے دو کام ہیں۔

١-ہمیشہ سچ بولنا ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا چند کام ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس مقام پر پہنچایا ہے، اگر وہ کام بھی کر لو تمہیں بھی یہی درجہ و مقام حاصل ہو جائے گا۔ وہ کام یہ ہیں۔ ا۔ اپنی نگاہ کو پست رکھنا۔ ٢-زبان کو روکے رکھنا۔ ٣۔ رزق حلال کھانا ۔ ۴۔ اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرنا۔ ۵۔ کام کی بات کرنا۔ ٢۔ عہد کو پورا کرتا۔ ۔۔ مہمان کا اکرام کرتا۔ ٨۔ پڑوسی کی حفاظت کرنا۔ ٩۔ فضول باتوں اور فضول کاموں کو چھوڑ دینا۔ (تفسیر القرآن العظیم لامام ابن الکثیر ج٣ص ٣٣٣)





علم کی زکوۃ

مولانا محمد شعیب صاحب

قاسم بن اسماعیل بن علی بیان کرتے ہیں کہ ہم بشر بن الحارث رحمہ اللہ کے دروازے پر تھے کہ وہ باہر نکلے، ہم نے کہا: ابو نصر! ہمیں احادیث بیان کریں۔ انہوں نے پوچھا: کیا تم حدیث کی زکوۃ دیتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: اے ابو نصر! حدیث کی بھی زکوۃ ہوتی ہے؟ فرمایا: "جی ہاں! (زکوۃ یہ ہے کہ) جب بھی آپ کوئی حدیث سنیں، جس میں کسی عمل، (نفلی) نماز یا تسبیح کا ذکر ہو تو اس پر عمل کریں۔" (حديث أبي الفضل الزهري: 145، الجامع لأخلاق الراوي للخطيب: 1 / 143 وفی سنده إبراهيم بن عبد الله بن أيوب المخرمي وهو ضعيف)

عبید بن محمد وراق بیان کرتے ہیں کہ میں نے بشر بن الحارث رحمہ اللہ کو فرماتے سنا: "اے اہل حدیثو! حدیث کی زکوۃ نکالا کرو۔ پوچھا گیا: اے ابو نصر! ہم اس کی زکوۃ کیسے دیں گے؟ فرمایا: (نفل اعمال سے متعلقہ) ہر دو سو احادیث میں سے کم از کم پانچ پر ضرور عمل کیا کرو۔" (شعب الإيمان للبيهقي: 3 / 286 ورجاله ثقات)

ابو خالد الاحمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمرو بن قیس کو فرماتے سنا: "جب بھی آپ تک کوئی خیر کی بات پہنچے تو اس پر کم از کم ایک مرتبہ ضرور عمل کر لو، تم اس بھلائی کے عاملین میں سے شمار ہو جاؤ گے۔" (تاریخ بغداد للخطیب: 12 / 163 وسنده صحیح)

مروذی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا: ”میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی حدیث لکھی ہے اس پر عمل کیا ہے، حتی کہ جب یہ حدیث گزری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگی لگائی اور ابوطیبہ کو ایک دینار دیا۔ تو میں نے بھی سینگی لگانے والے کو ایک دینار دے کر سینگی لگوائی۔“ (الجامع لأخلاق الراوي: 1 / 144 وفی سندہ اِنقطاع) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

”تم جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو، اور برائی کے بعد نیکی کرو وہ اس (برائی) کو مٹا دے گی، اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آؤ۔“

مشکوۃ المصابیح حدیث: 5083



اہل جنت اور نعمائے جنت کا تعارف

محمد حفص فاروقی صاحب

1۔ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے مشہور یہ ہیں: باب الصلاۃ، باب الجہاد، باب الصدقہ اور باب الریان وغیرہ۔(صحیح البخاری، کتاب الإیمان:1798)

2۔ جنت کے ہر دروازے کی چوڑائی بارہ سو کلومیٹر ہے۔(صحیح مسلم، کتاب الإیمان:194)

3۔ جنت میں چھڑی کے برابر جگہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے۔(صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق:3250)

4۔ قیامت کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے جنت کے دروازے پر آئیں گے اور جنت کا دروازہ کھلوائیں گے۔(صحیح مسلم، کتاب الإیمان:196)

5۔ جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کی مسافت کا فرق ہے۔(ترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ: 2054)

6۔ جنت کے محلات میں تمام برتن سونے اور چاندی کے ہوں گے۔ جنتیوں کے محلات میں ہر وقت عود (خوشبودار لکڑی) جلتی رہے گی، جس کی خوشبو سے ان کے محلات معطر رہیں گے۔ جنتیوں کے پسینے سے مشک کی خوشبو آئے



گی۔ جنت میں تھوک، ناک اور رفع حاجت وغیرہ نہیں ہوں گے۔ تمام جنتی باہم شیر وشکر ہوں گے، کسی کے دل میں دوسرے کے خلاف کوئی حسد یا بغض نہیں ہو گا۔ اہل جنت ہر سانس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کریں گے۔ (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق)

7۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جنت کس چیز سے بنی ہوئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کی ایک اینٹ چاندی کی ہے اور ایک سونے کی، اس کا سیمنٹ تیز خوشبو والا مشک ہے، اس کے سنگریزے موتی اور یاقوت کے ہیں اور اس کی مٹی زعفران ہے۔ جو شخص اس میں داخل ہو گا وہ عیش کرے گا، کبھی تکلیف نہیں دیکھے گا، ہمیشہ زندہ رہے گا، کبھی نہیں مرے گا، جنتیوں کے کپڑے کبھی پرانے نہیں ہوں گے اور ان کی جوانی کبھی فنا نہیں ہو گی۔" (ترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ:2050)

8۔ جنت میں موتی کا ایک خول دار خیمہ ہو گا، جس کی چوڑائی ساٹھ میل ہو گی۔ اس خیمے کے ہر کونے میں مومن کی بیویاں ہوں گی، جنھیں دوسرے (محل کے) لوگ دوری اور وسعت کی وجہ سے نہیں دیکھ سکیں گے۔ مومن آدمی ان (بیویوں) کے درمیان چکر لگاتا رہے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصفھا:2838)

9۔ جنت کی کھجور کا تنا زبردست ہو گا، اس کی ٹہنی کی جڑ سرخ ہو گی اور اس کی شاخ سے اہل جنت کی پوشاک تیار کی جائے گی۔ ان کے لباس اور قمیضیں بھی اسی سے بنائی جائیں گی۔ کھجور کا پھل مشکیزے یا ڈول کے برابر ہو گا، جو دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ نرم ہو گا، اس میں سختی بالکل نہیں ہو گی۔ (شرح السنۃ، باب حلقۃ الجنۃ والحدیث صحیح)

10۔ جب کوئی آدمی جنت سے پھل توڑے گا تو اس کی جگہ دوسرا پھل فوراً اُگ جائے گا۔ (مجمع الزوائد، 41410)

11۔ کوثر جنت میں ایک نہر ہے (یہ حوض کوثر کے علاوہ ہے)، جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں، اس کا پانی موتی اور یاقوت پر بہتا ہے، اس کی مٹی مشک سے زیادہ خوشبودار ہے، اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے۔ (ترمذی، ابواب تفسیر سورۃ الکوثر:2050)

12۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑا تھا، اتنے میں یہودیوں کے علماء میں سے ایک عالم آیا اور پوچھنے لگا: "جس روز زمین و آسمان بدل دیے جائیں

گے، اس وقت لوگ کہاں ہوں گے ؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پل صراط کے قریب اندھیرے میں۔" پھر یہودی عالم نے دریافت کیا: "پل صراط کو سب سے پہلے کون عبور کرے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "تنگدست مہاجرین۔" یہودی عالم نے دریافت کیا: "جب جنتی لوگ جنت میں داخل ہوں گے تو سب سے پہلے ان کی خدمت میں کون سا تحفہ پیش کیا جائے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "مچھلی کے جگر کا گوشت۔" پھر اس نے پوچھا: "اس کے بعد ان کا کھانا کیا ہو گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "جنتیوں کے لیے جنت میں چرنے والا بیل ذبح کیا جائے گا (جس کا گوشت انھیں کھلایا جائے گا)۔" اس نے پوچھا: "کھانے کے بعد پینے کے لیے جنتیوں کو کیا دیا جائے گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "سلسبیل چشمے کا پانی۔" یہودی عالم نے کہا: "آپ نے سچ فرمایا۔" پھر وہ چلا گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ ساری باتیں اللہ نے مجھے بتائی ہیں۔" (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ: 315)

13۔ اگر جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت لمحہ بھر کے لیے دنیا میں جھانک لے تو مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز کو روشن کر دے اور فضا کو خوشبو سے بھر دے۔ جنتی عورت کے سر کا دوپٹہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اس سب سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب الجہاد: 2796)

14۔ جو شخص جنت میں داخل ہو گا، وہ ہمیشہ خوش و خرم رہے گا، کبھی رنجیدہ نہیں ہو گا، اس کے کپڑے پرانے نہیں ہوں گے اور نہ ہی جوانی فنا ہو گی۔ (صحیح مسلم، کتاب الجنۃ وصف نعیمھا: 2835)

15۔ نیند موت کی بہن ہے، لہٰذا جنتیوں کو نیند نہیں آئے گی۔ (السلسلۃ الصحیحۃ: 1087)

16۔ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: "کیا جنت میں ہم اپنی عورتوں کے پاس جائیں گے ؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "مرد ایک دن میں سو سو کنواری عورتوں کے پاس جائے گا۔" (السلسلۃ الصحیحۃ: 368)

17۔ بلا شبہ جنت عیش و عشرت، راحت و سکون، دلکش اور دلفریب جگہ کا نام ہے، لیکن اس کا ملنا صالح اعمال اور رضائے الٰہی کے بغیر ناممکن ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، وہی لوگ جنتی ہیں، اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔" (سورۃ البقرہ: 82)





جان اسی کی تھی

محمد الرحمن صاحب

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: "جب منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کو قید میں اٹھارہ دن گزر گئے تو جناب شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے پاس جاکر دریافت کیا اے منصور محبت کیا ہے؟ منصور رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا آج نہیں کل یہ سوال پوچھا۔ جب دوسرا دن ہوا اور ان کو قید سے نکال کر مقتل کی طرف لے گئے تو وہاں منصور نے شبلی کو دیکھ کر کہا شبلی! محبت کی ابتدا جلنا اور انتہا قتل ہو جانا ہے۔" (مکاشفۃ القلوب، باب 10)

یہ کہنے کے بعد منصور قتل ہو گئے۔ اور وہ بلکل ہی خوفزدہ نہیں تھے بلکہ خوشی کی حالت میں مسکراتے ہوئے اپنی جان، جان آفریں کے حوالے کی۔ اللہ کے راستے میں اپنی جان دینے والے جس ذوق اور شوق کے ساتھ اپنی جان دیتے ہیں، وہ بھی بہتوں کیلئے حیرت انگیز ہوتا ہے۔ ماہرین نفسیات کے لئے بھی یہ کیفیت حیران کن ہوتی ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں جب مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئیں، انکی انگلیاں کٹ گئیں اور انھیں کٹنے کا احساس تک نہیں ہوا، کیونکہ حسن یوسف نگاہوں کے سامنے تھا، اور جب نگاہوں کے سامنے خالق یوسف ہو تو گردن کے کٹنے کا احساس کیسے ہو سکتا ہے؟ جب عاشق کی جان جاتی ہے تو اس کے سامنے خود اللہ کا جلوہ ہوتا ہے۔ (تصوف اور صوفیا کی تاریخ ص، 229)



دوسروں کو تکلیف دینے کا انجام

محمد عبداللہ چترالی صاحب

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھاہے کہ بعض عارفین سے نقل کیاگیاہے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا، جس کاہاتھ مونڈھے سے کٹاہواتھا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھاکہ تیراکیاقصہ ہے ؟ کہاکہ اے بھائی بڑاعجیب قصہ ہے، وہ یہ ہے کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا، جس نے مچھلیوں کو شکار کر رکھی ہے، جو مجھے پسند آگئی، میں نے اس سے کہاکہ یہ مچھلی مجھے دے دے، اس نے کہاکہ میں نہیں دے سکتاہوں؛ کیوں کہ میں اسی کی قیمت سے میرے اہل وعیال کی غذاوخوراک کاانتظام کرتاہوں، یہ سن کر میں نے اس کو مارااور اس سے وہ مچھلی زبردستی لے لی اور چلاگیا۔ وہ کہتاہے کہ میں اس کو اٹھاکر لے جارہاتھاکہ اس مچھلی نے میرے انگوٹھے کو زور سے کاٹ لیا۔ جس سے میں نے بہت ہی درد محسوس کیا۔ حتی کہ شدت تکلیف کی وجہ سے سو بھی نہ سکااور میراہاتھ بھی سوج گیااور صبح ہوئی تو طبیب کے پاس گیا، اس نے کہاکہ اب یہ سڑناشروع ہوگیاہے؛ لہٰذاانگلی کو کاٹ دو؛ ورنہ ہاتھ کاٹناپڑے گا، وہ کہتاہے کہ میں نے اپنی انگلی کٹوادی؛ مگر یہ تکلیف بڑھ کر ہاتھ میں آگئی، مجھ سے کہاگیاکہ گٹوں تک ہاتھ کٹوادو، میں نے کٹوادیا؛ مگر تکلیف بازوتک پھیل گئی، تو یہاں تک کاٹ دیناپڑا، بعض لوگوں نے مجھ سے پوچھاکہ یہ تکلیف کس سبب سے پیداہوئی؟ میں نے مچھلی کاقصہ سنایا، اس نے کہاکہ اگر تو پہلی ہی دفعہ مچھلی والے سے مل کر معاف کرالیتا (تواس نقصان بچ جاتا) اور تیرے اعضانہ کاٹے جاتے۔ لہٰذااب جاکر معافی مانگ لے، وہ کہتاہے کہ میں گیااور معافی مانگی اور یہ میراقصہ سنایا، تواس نے معاف کر دیا۔ (کتاب الکبائر: ۱۱۴)





استاذ کا احترام

محمد عبد اللہ ترکی صاحب

امام ابو یوسف رحمہ اللہ ایک موقع پر ایسے بیمار ہوئے کہ لوگوں نے سمجھا اب وصال ہو جائے گا تب آپ کے پاس آپ کے استاذ محترم امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور فرمایا: "میں تمھیں اپنے بعد اپنی مسند کا مالک بناتا ہوں، اللہ نہ کرے کہ تم فوت ہو جاؤ، اگر تم فوت ہو گئے تو لوگ علم سے محروم ہو جائیں گے"۔

پھر اللہ پاک نے امام ابو یوسف کو صحت عطا فرمائی۔

لوگوں نے آپ کو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان یاد دلایا تو آپ کا نفس پھول گیا(یعنی تکبرُ آ گیا) اور آپ نے اپنی ایک الگ مجلسِ فقہ قائم کرلی جب امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو اطلاع ہوئی تو آپ کو رنج و قلق ہوا اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ایک خاص مصاحب سے فرمایا....... جاؤ! اور یعقوب (امام ابو یوسف) سے ایک سوال کرو کہ

ایک شخص نے دھوبی کو ایک درہم کے بدلے کپڑے دھونے کے لئے دیئے لیکن جب وہ کپڑے لینے گیا تو دھوبی نے کہا آپ کا میرے پاس کوئی کپڑا نہیں اور کپڑا دینے سے انکار کر دیا مالک لوٹ آیا بعد میں دھوبی نے اس کے کپڑے واپس کر دیئے۔ اب چونکہ وہ کپڑے دھلے ہوئے تھے تو کیا دھوبی اس کی اجرت لے سکتا ہے؟ اگر یعقوب کہے کہ اجرت لے سکتا ہے تو کہنا کہ "آپ نے خطا کی" اگر وہ کہے نہیں لے سکتا تب بھی کہنا کہ "آپ نے خطا کی"۔

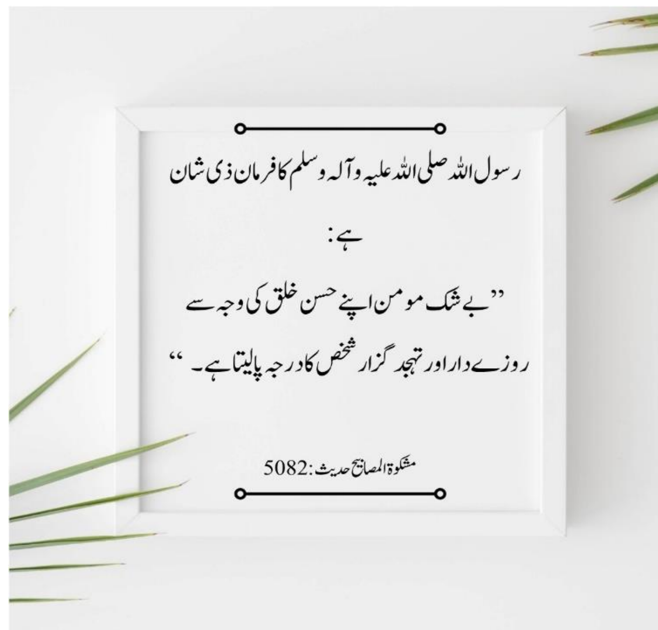
وہ حاضر ہوا اور اسی ترکیب سے امام ابو یوسف سے سوال کئے، بالآخر امام ابو یوسف رحمہ اللہ جواب دینے سے عاجز ہوئے، اور سراج الامہ، سلطان المحدثین، سید الفقہاء امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کی خدمت میں خود حاضر ہو کر یہی "مسئلہ" عرض کیا۔

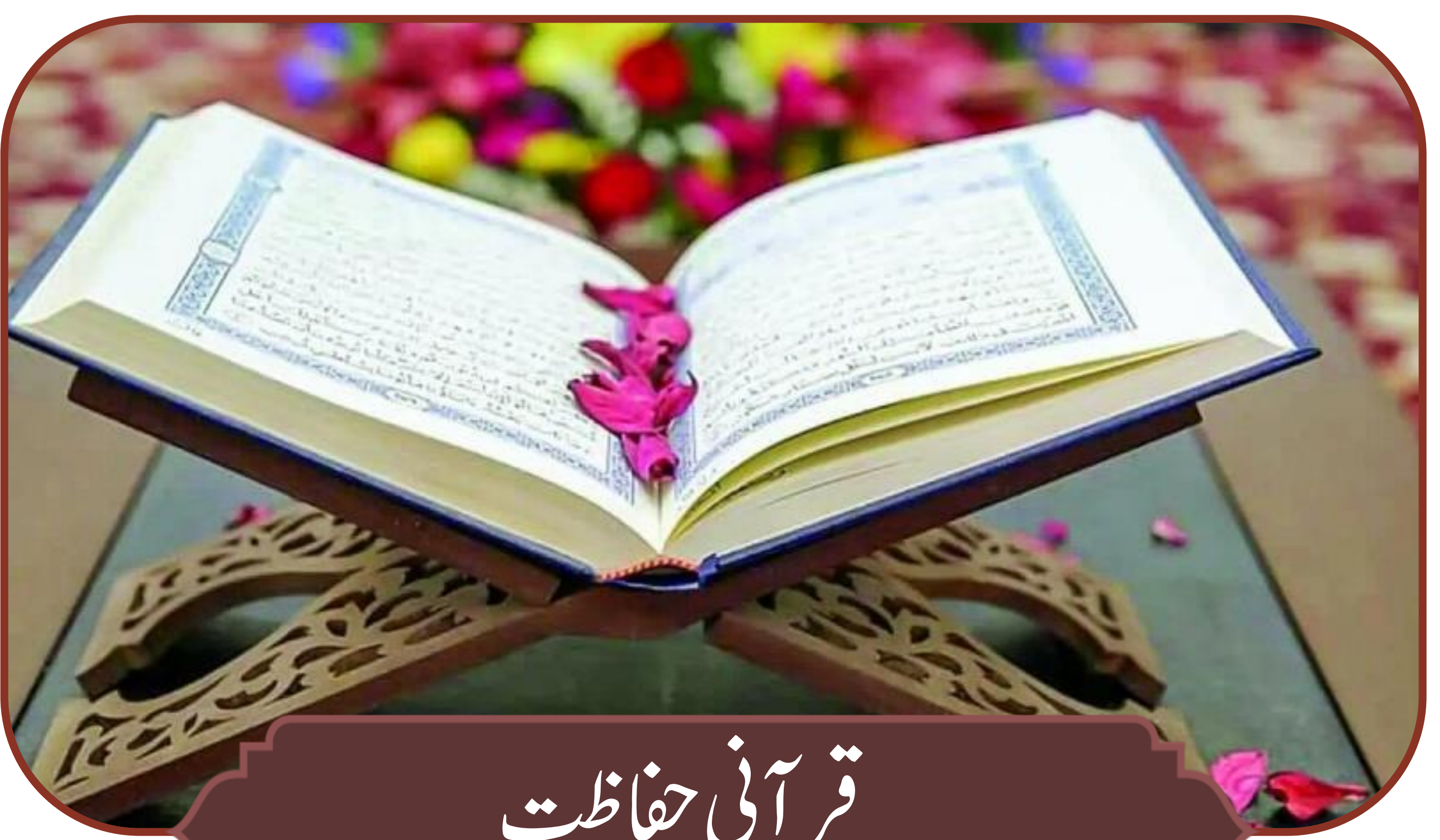
آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

اگر اس دھوبی نے غصب کے بعد کپڑے دھوئے تو اجرت نہیں کیوں کہ اس نے اپنے لئے دھوئے اور اگر غصب سے پہلے کپڑے دھوئے تو اجرت ملے گی کیوں کہ اس نے کپڑوں کے مالک کے واسطے دھوئے۔

پھر فرمایا: "جو شخص یہ گمان کرے کہ وہ علم سے مستغنی ہو گیا ہے تو وہ اپنے آپ پر روئے"۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ بے حد نادم اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ (اخبار ابی حنیفہ، ص:62)





قرآنی حفاظت

محمد مسعود صاحب

مفسرین کرام نے کتبِ تفاسیر میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام ایک گاؤں میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں سے کھانا طلب کیا۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا

یعنی "ان گاؤں والوں نے ان کی ضیافت سے انکار کر دیا۔" (الکھف: آیت 77)

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اس گاؤں کا نام انطاکیہ تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو انطاکیہ کے رہنے والوں نے سوچا کہ ہمارے آباؤ اجداد تو قیامت تک کے لیے بدنام ہو جائیں گے، کیونکہ ان کے انکار کا ذکر قرآن پاک میں آ گیا ہے۔ اس خیال سے وہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے:

"یارسول اللہ! اس آیت میں 'ب' کی جگہ 'ت' کر دیں تاکہ آیت اس طرح ہو جائے:

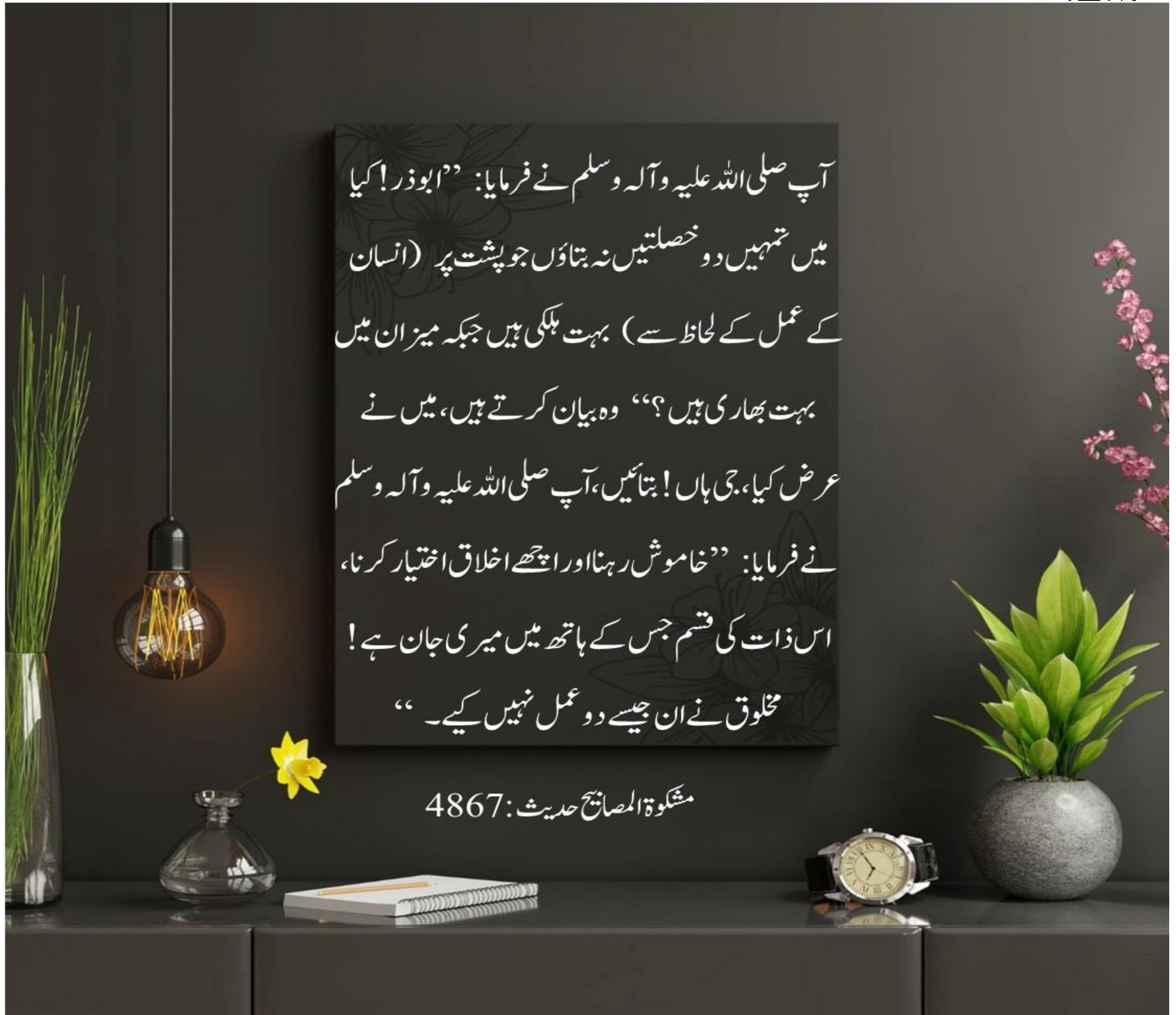
فَأَتَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا

یعنی 'گاؤں والے ان کی ضیافت کرنے کو آگے بڑھے'۔ 'اَبَوۡا' کی جگہ 'آتَوۡا' ہو جائے تو معنی بالکل بدل جاتا ہے، کیونکہ 'اَبَوۡا' کے معنی ہیں 'انہوں نے انکار کر دیا'، اور 'آتَوۡا' کے معنی ہیں 'وہ (ضیافت کرنے) آئے۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کی یہ بات سن کر فرمایا:

"یہ اللہ بزرگ و برتر کا کلام ہے اور ہر قسم کی تحریف و تبدیلی سے پاک ہے۔ لہٰذا تمہارے کہنے پر یا کسی اور وجہ سے ایسا کیا جانا ممکن نہیں۔"

یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے کہ وہ کسی بھی قسم کی تبدیلی سے محفوظ ہے اور صبحِ قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیلِ امین کی وساطت سے حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے قلبِ اطہر پر نازل فرمایا تھا۔ (تفسیر روح البیان، جلد 5، صفحہ 282، دار الفکر، بیروت)





امام ابو حنیفہ اور پادری

 محمد عاصم صاحب

امام ابو حنیفہؒ کے بچپن کا مشہور واقعہ ہے جس سے آپ کی حاضر جوابی اور اعلیٰ ذہانت کا علم ہوتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ عیسائیوں کی جانب سے ایک مناظرے میں مسلمانوں کو لاجواب کرنے کے لیے علماء سے چند مشکل سوالات پوچھے گئے۔ بعض اصحابِ تاریخ بتاتے ہیں کہ شاہِ روم کی جانب سے آنے والے قاصد نے مسلمانوں کے مجمعِ عام میں یہ سوال پوچھے تھے۔

لوگ حیران و متفکر تھے کہ ان سوالات کا کیا جواب دیا جائے، عیسائی خوش ہو رہے تھے کہ آج ہم بہت سے اہلِ ایمان کو ایمان سے پھیر دیں گے۔ امام ابو حنیفہؒ اس وقت ابھی بچے تھے، والد سے اجازت چاہی کہ میں یہ جواب دینا چاہتا ہوں۔ والد صاحب نے ان کے اصرار کے پیشِ نظر انہیں اجازت دے دی۔ منادی ہو گئی کہ فلاں بچہ ان سوالات کے جواب دے گا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ آگے بڑھے اور عیسائی مناظر سے کہا کہ سوال کرنے والا شاگرد کی مثل ہوتا ہے، لہٰذا آپ منبر سے نیچے آ کر سوال کریں۔ وہ نیچے آیا تو امام صاحب بحیثیت استاد منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: اب سوال کیجیے۔

عیسائی مناظر: اللہ تعالیٰ سے پہلے کون تھا؟

امام صاحب: ایک، دو، تین گنتی شمار کر کے بتائیں کہ ایک سے پہلے کون سا عدد ہے؟

عیسائی مناظر: ایک سے پہلے تو کوئی عدد نہیں آتا۔



امام صاحب: تو یہ سوال حل ہو گیا۔ جب اعداد و شمار میں واحدِ مجازی سے پہلے کوئی چیز متحقق نہیں ہو سکتی، تو واحدِ حقیقی سے پہلے کوئی شے کیسے ہو سکتی ہے؟ لہٰذا ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لا شریک ہے، ابتداء اور انتہاء سے پاک ہے۔

عیسائی مناظر: آپ بتائیے! اللہ تعالیٰ کا منہ کس طرف ہے؟

امام صاحب: میں آپ سے پوچھتا ہوں، دربار میں جب مشعل یا شمع روشن کی جاتی ہے تو اس کا منہ کس طرف ہوتا ہے؟

عیسائی مناظر: مشعل اور شمع کا منہ تو چاروں طرف برابر ہوتا ہے۔

امام صاحب: تو اس بات کا فیصلہ بھی ہو گیا کہ جب نورِ مجازی کے لیے کوئی رخ متعین نہیں تو اللہ تعالیٰ، جو نورِ حقیقی ہے، کسی جہت کا پابند کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ اپنے علم کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے۔

عیسائی مناظر: ہر چیز کی کوئی نہ کوئی جگہ ہوتی ہے جہاں وہ موجود ہوتی ہے، بتائیں اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟

امام صاحب: دودھ منگوا کر اس سے پوچھتے ہیں، بتایئے اس دودھ میں مکھن کہاں ہے؟

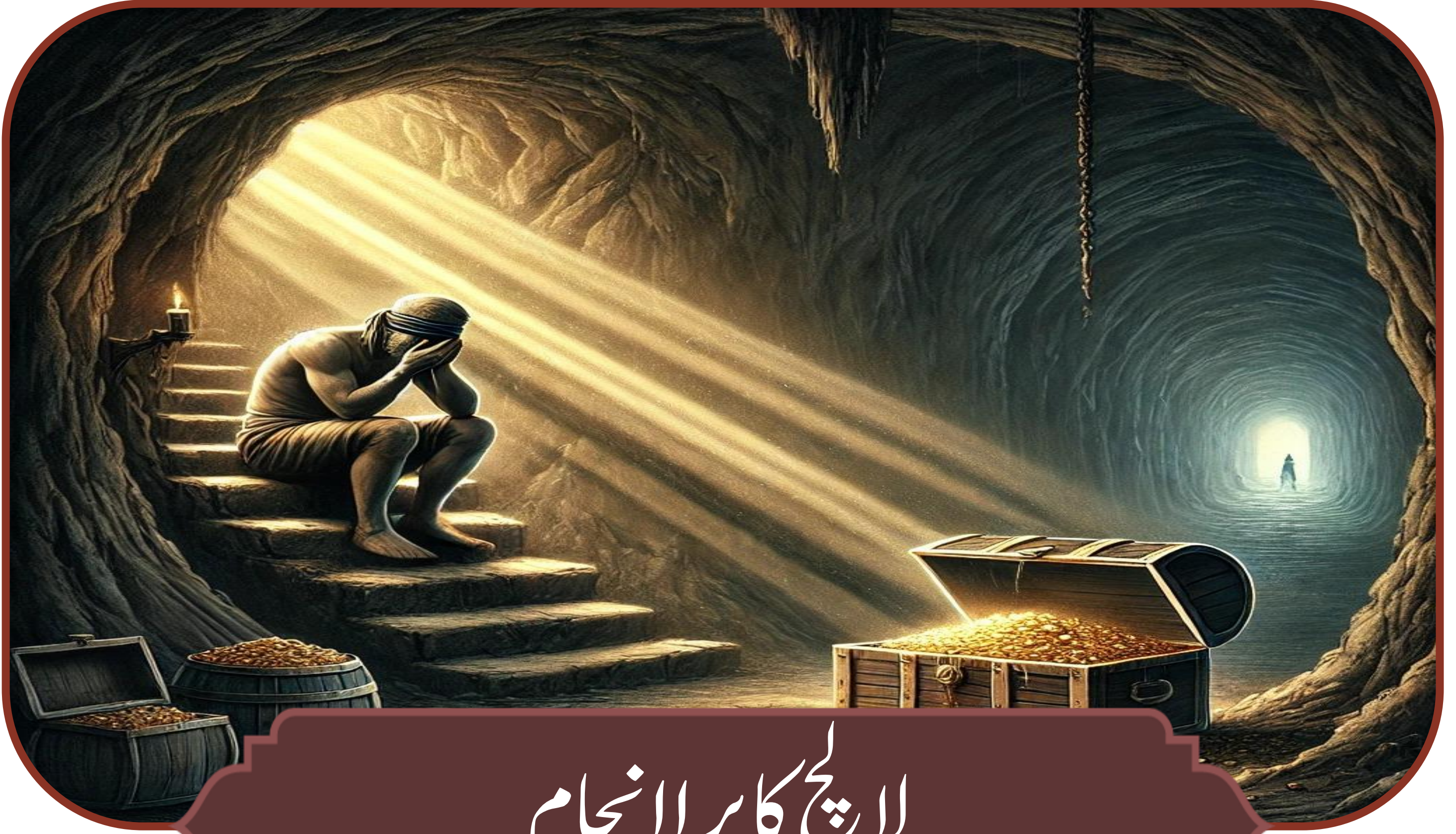
عیسائی مناظر: مکھن اس کے ہر ہر قطرے میں ہے۔

امام صاحب: وہ خالقِ ارض و سما بھی ہر جگہ اپنی قدرت کے ساتھ موجود ہے۔

عیسائی مناظر: تمہارا اللہ کیا کر رہا ہے؟

امام صاحب: اس کے بہت سے کام ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ اس نے تجھ کافر کو منبر سے اتارا اور مجھے اس پر بٹھایا۔ تجھے پست کیا اور مجھے بلند کر ڈالا۔

یوں لوگوں کے ہجوم میں وہ شخص لاجواب اور مبہوت ہو گیا۔ نیز ہر خاص و عام نے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے علم سے استفادہ کیا اور ان کی قدر پہچانی۔ (الفقہ والفقہاء- ص49)



لالچ کا برا انجام

محترمہ فاطمہ طاہرہ صاحبہ

مسعودی بن زبیر بن بکار سے نقل کیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں دو بھائی سفر کے لیے نکلے اور راستے میں ایک درخت کے سائے میں، جو سڑک کے کنارے تھا، دم لینے کے لیے رکے۔ اس پیڑ کے نیچے ایک پتھر بھی پڑا تھا۔ جب کچھ دیر بعد انہوں نے چلنے کا ارادہ کیا تو اس پتھر کے نیچے سے ایک سانپ ایک دینار لیے ہوئے نکلا اور اس نے وہ دینار ان دونوں بھائیوں میں سے ایک کے سامنے ڈال دیا۔

اس دینار کو پا کر وہ دونوں بھائی آپس میں کہنے لگے کہ ہو نہ ہو، یہاں پر کوئی خزانہ مدفون ہے۔ لہٰذا انہوں نے تین دن تک وہاں قیام کیا اور وہ سانپ روزانہ ایک دینار لا کر ان کے سامنے ڈالتا رہا۔ لیکن چوتھے دن ان بھائیوں میں سے ایک کہنے لگا:

بھائی! ہم کب تک یہاں بیٹھے ہوئے ایک ایک دینار حاصل کرتے رہیں گے؟ کیوں نہ اس سانپ کو مار کر خزانہ نکال لیا جائے؟

لیکن دوسرے بھائی نے اسے منع کیا اور کہا:

"اگر اس کے نیچے خزانہ نہ نکلا تو ہماری ساری محنت بیکار ہو جائے گی۔"

مگر اس نے اس کی بات نہ مانی اور ایک کلہاڑی لے کر سانپ کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ جیسے ہی سانپ نے پتھر سے سر نکالا، اس نے کلہاڑی سے اس پر وار کر دیا۔ مگر حملہ پوری طرح کامیاب نہ ہو سکا، اور سانپ صرف زخمی ہوا، مرا نہیں۔ سانپ نے تیزی سے پلٹ کر جوابی حملہ کیا اور کلہاڑی سے حملہ کرنے والے کو ڈس کر ہلاک کر دیا، پھر واپس پتھر کے اندر گھس گیا۔

دوسرے بھائی نے اپنے ہلاک شدہ بھائی کو دفن کر دیا اور وہیں ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ اگلے دن پھر وہ سانپ نکلا، مگر اس کے منہ میں کوئی دینار نہیں تھا اور اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ سانپ نکلتے ہی اس کی طرف بڑھا، مگر اس نے فوراً کہا:

تجھے معلوم ہی ہے کہ میں نے اپنے بھائی کو اس اقدام سے منع کیا تھا، اور تیرے قتل کرنے پر میں اس کا ہم خیال نہیں تھا، مگر اس کم بخت نے میرا کہنا نہ مانا اور تجھ پر حملہ کر بیٹھا، جس کے نتیجے میں اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ ان حالات کے تحت کیا یہ ممکن نہیں کہ تو مجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے اور نہ میں تجھ کو کوئی نقصان پہنچاؤں؟ اور تو اسی طرح مجھ پر مہربان ہو جائے جیسے تو نے چار دن تک ہم پر مہربانی کی تھی؟

لیکن سانپ نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ اس شخص نے پوچھا:

انکار کی وجہ کیا ہے؟

سانپ نے جواب دیا:

"انکار کی وجہ یہ ہے کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تیرا دل میری طرف سے کبھی صاف نہ ہو گا، کیونکہ میں نے تیرے بھائی کو مار ڈالا ہے اور تو اس کی قبر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اور میرا دل بھی تیری طرف صاف نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ میرے سر کا زخم مجھ کو صدمے کی یاد دلاتا رہے گا، جو تیرے بھائی کے ہاتھوں مجھے اٹھانا پڑا۔"

پھر اس سانپ نے، جو اصل میں جن تھا، نابغہ جعدی کا یہ شعر پڑھا:

ومالفیت ذات الصفا من حلیفها

وکانت تربه المال زعبا وظاهره

ترجمہ: "اور میں نے اپنے حلیف سے کوئی نیک معاملہ نہیں دیکھا، حالانکہ میرا مال اس کی پرورش کرتا تھا اور اس کے ظاہر کا خبر گیر تھا۔" (تاریخ کے سچے واقعات، ص828)



علماء دیوبند کا شاندار ماضی

محترمہ رعنا دلبر صاحبہ

حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی کے دور میں ایک پادری نے عیسائیت کی تبلیغ کا ایک عجیب انداز اختیار کیا۔ وہ دلی کے ایک چوک میں کھڑا ہو کر لوگوں کے ہجوم میں یہ اعلان کرنے لگا:

"اے مسلمانو! تم یہ کہتے ہو کہ ہمارے مذہب کی کتاب انجیل ناحق ہے، جبکہ میرا کہنا یہ ہے کہ سچی کتاب تو انجیل ہے، جو ہمارے نبی پر نازل ہوئی۔ آؤ، آج اس چوک میں بھرے ہجوم کے سامنے آگ جلاتے ہیں۔ تم بھی اپنی کتاب اس میں ڈالو اور میں بھی اپنی کتاب اس میں ڈالتا ہوں۔ جو کتاب سچی ہوگی، وہ محفوظ رہے گی، اور جو ناحق ہوگی، وہ آگ میں جل جائے گی۔"

یہ سن کر لوگ دوڑے دوڑے حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی کی خدمت میں پہنچے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ ان لوگوں کے ساتھ اس ہجوم میں تشریف لائے۔

اللہ والوں کی فراست کا کیا کہنا! آپ نے فرمایا:

"میں اپنی اس کتاب ہدایت سے محبت کرتا ہوں، اسی وجہ سے اسے آگ میں ڈالنے پر رضامند نہیں ہوں۔ لیکن آؤ، ہم یوں کر لیتے ہیں کہ آگ کے اس الاؤ میں تم بھی اپنی کتاب سینے سے لگا کر کود جاؤ اور میں بھی اپنی کتاب اپنے سینے سے چمٹا کر آگ میں کود جاتا ہوں۔ جو شخص آگ میں زندہ سلامت رہا، وہ سچا ہوگا اور اس کی کتاب بھی سچی ہوگی۔"

یہ سن کر پادری کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، وہ پریشان اور لاجواب ہو گیا۔ پھر شرمندہ ہو کر کہنے لگا:

"شاہ صاحب! آپ سچے ہیں اور آپ کا قرآن بھی سچا ہے۔ میں نے اپنی کتاب پر کچھ مسالہ وغیرہ لگایا تھا تاکہ یہ آگ میں جل نہ سکے اور یوں میں عیسائیت کا پرچار کر سکوں، لیکن آپ نے تو میری ساری تدابیر خاک میں ملا دیں۔

میں آپ کی مومنانہ فراست کو سلام کرتا ہوں اور یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ اس طرح کے ہتھکنڈے اپنا کر لوگوں کے ایمان کے ساتھ نہیں کھیلوں گا۔ اور آج سے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں اس سچے دین اور اس سچی کتاب پر ایمان لاتا ہوں۔ آپ میرے لیے دعا فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دینِ اسلام کا سچا پیروکار بنائے۔" (علماء ہند کا شاندار ماضی، از سید محمد میاں)

انسان کا حقیقی مال

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بندہ کہتا ہے، میرا مال، میرا مال، حالانکہ اس کا مال فقط تین صورتوں میں ہے جو اس نے کھا کر ختم کر دیا، یا پہن کر بوسیدہ کر دیا یا (اللہ کی راہ میں) دے کر ذخیرہ کر لیا، اور جو ان کے علاوہ ہے وہ تو اسے لوگوں کے لیے چھوڑ کر جانے والا ہے۔ "

(مشکوۃ المصابیح حدیث نمبر:5166)